رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۷ جنوری ۱۹۳۳ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے شائع ہوا

تصانیف شبلیؒ

الفاروق - یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقہ حکومت عراق وشام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد و عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے قیمت للعہ

شعر العجم - فارسی شاعری کی تاریخ جسمین

حصۂ اول، شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۳۵۰ صفحے، قیمت سے ر

حصۂ دوئم:- شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، مطبوعۂ معارف پریس، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت عہ

حصۂ سوئم:- شعرائے متاخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۲۰ صفحے، قیمت عہ

حصۂ چہارم:- اس حصہ مین تفصیل کیساتھ بتایا گیا ہی، کہ ایران کی آب و ہوا، اور تمدن، اور دیگر اسباب نے شاعری پر کیا اثر کیا، کیا کیا تغیرات پیدا کئے، اور شاعری کے تمام انواع و اقسام مین سے مثنوی پر بسیط تبصرہ، مطبوعۂ معارف پریس، ضخامت ۲۳۶ صفحے، قیمت سے ر

حصۂ پنجم، اس مین قصیدہ، غزل، اور فارسی زبان کی عشقیہ، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۲۲۸ صفحے، قیمت عہ ر

علم الکلام مسلمانون کے علم کلام کی تاریخ، اسکی عہد بعہد کی ترقیان، اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۰۴ صفحے، قیمت عہ ر

الکلام - مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جسمین عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ مین ثابت کیا گیا ہے، اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، اور عقائد و اصول اسلامی کی فلسفیانہ تشریح، طبع سوم، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۷۵ صفحے، قیمت ۱۔عہ

جلد سی و یک | ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۳ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

عیسوی سال کے خاتمہ پر ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء کو عیسوی مذہب کے سب سے بڑے نقاد اور عیسوی ممالک مین اسلام کے مشہور مبلغ خواجہ کمال الدین نے افسوس ہے کہ وفات پائی، وہ کئی برس سے سل کے مرض مین مبتلا تھے، اور اس حالت مین بھی وہ تصنیف و تالیف مین ہمیشہ مصروف رہے، احمدی جماعت مین ہمارے نزدیک وہ عام مسلمانون سے سب سے زیادہ قریب تھے، اسی لئے اُنکے مشن کا بار اٹھانے مین عام مسلمان اور امرا نے بھی شرکت کی تھی، اور شاید یہ راز نہ ہو کہ مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم اور مولنا شبلی مرحوم نے انکی امدادی تحریکون مین سب سے زیادہ دلچسپی لی، مولنا مرحوم نے ایکدفعہ علماء کے بالمقابل نوجوان تعلیم یافتون مین سے خواجہ صاحب کے عزم تبلیغ کو سامنے رکھکر یہ شعر خود انہین کے خط مین لکھا تھا

کام اس فرقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

گو ہم کو خواجہ صاحب کے بہت سے خیالات اور تاویلات سے اتفاق نہین، تاہم یہ کہنا اظہار واقعہ ہے کہ انھون نے ۱۹۱۲ء سے لیکر ۱۹۳۲ء تک اپنی پوری بیس برس کی زندگی اسلام کی تبلیغ، اور اس کے مشن کی اشاعت، اور یورپ مین اسلامی لٹریچر کی فراہمی مین صرف کی، اور نیز یہ کہ انکی تصنیفات کے بڑے حصہ کا موضوع "احمدیت" نہین محمدیت ہے، افسوس کہ انکی موت سے دنیا کی مذہبی بزم مین ایک اہم جگہ خالی ہو گئی، اللہ تعالیٰ انکے اعمالِ صالحہ کے صدقہ مین اُن کو اپنی مغفرت سے نوازے، اور انکی لغزشون سے درگذر فرمائے،

شاید ناظرین کو معلوم ہو کہ ہماری سیرۃ النبی کی تین گذشتہ جلدون کا ترجمہ قسطنطنیہ مین ترکی زبان مین ہو چکا ہے، جناب نواب فخر یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن) جنکے پہلو مین اسلامی درد ہے، اور جو نہایت دیندار مسلمان ہین، وہ ترکی کی سیاحت ابھی کر آئے ہین اپنے ایک کرمت نامہ مین لکھتے ہین :-

"مین کچھ عرصہ ہوا ترکی گیا تھا، اور باوجود اس کے کہ جن لوگون کے ہاتھ مین زمام حکومت ہے وہ اس سے زیادہ تعلق نہین رکھتے ایک بڑی جماعت ایسے لوگون کی ملی جو سیرۃ النبی مبارک کی بڑی مداح ہے، اور اُس کا جو ترجمہ ترکی مین ہو چکا ہے، اس کو وہ بہت شوق سے مطالعہ کرتے ہین، خود استنبول تو چونکہ مغرب زدہ ہو چکا ہے، وہان زیادہ لوگ نہین ملے لیکن بروصہ مین جو شاہان عثمانیہ کا فتح استنبول سے پہلے قریب ڈیڑھ سال کے دار الحکومت رہا ہے، بہت احباب کو سیرۃ النبی کا دلچسپی سے ذکر کرتے سنا، خدا آپ کے مساعی جمیلہ کو بار آور کرے . . . .

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے دار المصنفین کے اس نیک عمل کو یہ عزت بخشی کہ اُس کے ذریعہ سے ترکی مین جسکے متعلق ہر روز خدا جانے کیا کیا کہا جاتا ہے محمد رسول اللہ صلعم کی محبت کا فیض پہنچایا، دل سے دعا ہے کہ وہ خداوند قلوب اسکے بدولت خود اس کے مؤلف کے اور مسلمانون کے دلون کو اس محبت کی آبادی سے ہمیشہ معمور رکھے،

ہمنے تاریخ ہند کی نسبت پچھلے دو پرچون مین جو تجویز پیش کی تھی بحمد اللہ کہ اُس نے ہر دلعزیزی حاصل کی اور اکثر صاحبون نے اسکی ضرورت کا اعتراف کیا، اکثر اردو اور بعض انگریزی اخبارات مین اس کا خیر مقدم کیا گیا، طلبہ کے حلقہ مین خصوصیت کیساتھ اس سے دلچسپی کا اظہار کیا گیا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تجویز کتنی ضروری اور اہم ہے، اور عجیب الاتفاق یہ کہ پنجاب کونسل مین نواب احمد یار خان دولتانہ نے اسی قسم کی ایک تجویز پیش کی تھی جو افسوس ہے کہ منظور نہ ہو سکی اس مجوزہ تاریخ ہند کی نسبت پورا خاکہ ہم آیندہ پیش کرینگے جسمین جلدون کی تعداد مباحث کا تعین اور مصنفین کے نام لکھے جائین گے،

ہندی کو ہندوؤن کی ملکی زبان بنانے کی جو کوشش ملک مین ہو رہی ہے وہ قابل قدر ہے، راجپوتانہ اور اوورا اور بالآخر

گجراتی بولی والی ریاست بڑودہ میں ہندی کو سرکاری زبان کا منصب مل رہا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اسکے ساتھ اردو کو بھی زندہ رہنے دیا جائے، صوبہ متوسط کی تعلیمات سے سنا جارہا ہے کہ اردو کو شہر بدر کیا جارہا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو حقیقت میں یہی وہ باتیں ہیں جو ہندوستان کی دو قوموں کو بار بار لڑنے پر آمادہ کرتی ہیں، مدراس کی رکشنا بھارت ہندو پرچار سبھا کے جلسہ تقسیم انعامات منعقدہ ۲۸ دسمبر ۳۲ء میں میسور کے ڈاکٹر ہسٹری نے یہ بجا کہا ہے کہ، سنسکرت شمال و جنوب کی مادری زبان تھی، اور اردو اور ہندی اسکی دو بیٹیاں ہیں" لیکن ضرورت ہے کہ ان دونوں بہنوں کو باہم دست و گریبان ہونے سے بچایا جائے،

ڈاکٹر صاحب نے اس جلسہ میں یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ اردو ہندی دونوں زبانوں کے ماہرین کا ایک متحدہ جلسہ حیدرآباد میں منعقد کیا جائے، تاکہ ان دونوں زبانوں کے درمیان اتحاد کی دقتوں کا حل سوچا جائے، ہم نے خود اسی قسم کی تجویز ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد کے سامنے پیش کی تھی اب بھی ناگری پرچارنی سبھا بنارس کے ایک آیندہ شائع ہونے والے مجموعۂ مضامین میں اپنے نام کے مضمون میں پیش کی ہے، ضرورت ہے کہ دونوں زبانوں کے چند نیک دل اتحاد پسند اس مسئلہ کی اہمیت کیطرف توجہ فرمائیں،

سنا جارہا ہے کہ بنگال کے کچھ مسلمان اسپر مُصر ہیں کہ اردو کو اپنے صوبہ کے دائرۂ تعلیم میں داخل نہونے دیں تاکہ صوبہ کے زبانی اتحاد میں فرق نہ آنے پائے، یہ خیال مبارک ہے مگر سوال یہ ہے کہ صوبہ کے ہندو اگر ہندی کو ملک کی عمومی زبان کی حیثیت سے صوبہ میں داخل ہونے کی اجازت دیدیں تو اس اتحاد میں فرق آجائیگا یا نہیں، اور اس وقت بنگال کے مسلمانوں کا اردو کی نسبت طرزِ عمل کیا ہوگا؟

ہمکو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ بنگال، گجرات، مہاراشٹر، مدراس وغیرہ مختلف صوبوں کے مسلمان بچوں کو اپنے صوبہ کی زبانوں کے سیکھنے کے ساتھ ساتھ ایک نئی زبان اردو سیکھنے کی مشکل بھی پیش آتی ہے جو ہندو بچوں کو پیش نہیں آتی لیکن اس تھوڑی سی دقت اٹھانے کا فائدہ یہ کیا کم ہے کہ آج اردو میں لکھی ہوئی ہر کتاب ہندوستان کے ہر صوبہ کے اکثر مسلمان پڑھ لیتے ہیں، اور ایک اردو اخبار پورے ملک کے مسلمانوں کو بیدار اور ہشیار رکھنے میں کامیاب ہے، اور ہندوستان کے ہر صوبہ کے جلسہ میں اردو ذریعہ تقریر ہے حالانکہ دوسری قوم اس ملک گیری کیلئے انگریزی کا سہارا لینے پر ہر قدم پر مجبور ہے، اسکے علاوہ اب تو ہر صوبہ کے ہندو بھی ہندی کو ملکی زبان کی حیثیت سے قبول کرتے جاتے ہیں، اسطرح ایک نئی زبان کا بار صوبوں کی دونوں قوموں پر آیندہ شاید برابر ہوگا،

مقالات

ترجمان القرآن و تفسیر حضرت مولینا ابو الکلام آزاد

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز (نئی دہلی)

جناب غلام احمد صاحب پرویز کو، مولینا ابو الکلام آزاد کی تالیف و ترجمہ ترجمان القرآن کے مطالعہ سے چند شبہات پیدا ہوئے ہیں جنھیں انھوں نے قلمبند کرکے رفع شکوک کیلئے اشاعت کی غرض سے بھیجا ہے، اگرچہ ان میں سے بعض شبہات کی بنا بعض غلط فہمیوں پر بھی ہے، تاہم وہ نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، ہم ان شبہات و شکوک پر کسی آیندہ موقع پر ایک نظر ڈالیں گے،

"سید ریاست علی ندوی سب اڈیٹر"

خوش قسمتی سے میں بھی اُن لوگوں میں سے ہوں جنھیں ایک عرصہ سے حضرت مولینا ابو الکلام آزاد مدظلہ کے ترجمہ یا تفسیر قرآن کریم کا ایک "مہدی موعود" کیطرح انتظار تھا، بارے الحمد کہ ایک مدت کے مدوجزر کے بعد یہ گوہر تابناک بحر العلوم کی گہرائیوں سے ابھر کر سطحِ آب پر آیا، اور اسی سال ترجمان القرآن کی پہلی جلد طبع ہو کر منتظرین کے لئے وجہ سکون ہوئی، ترجمہ قرآن کے متعلق کچھ بھی عرض کرنا گویا آفتاب کو آئینہ دکھانا ہے، ایک تو خود قرآن کریم کا معجزانہ اندازِ کلام اس پر حضرت مولینا کا ساحرانہ اسلوبِ بیان، بیساختہ غالب کا یہ شعر یاد آجاتا ہے،

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر، جو تھا رازداں اپنا

ترجمان القرآن کے شروع میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر پونے دوسو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، جس کا حرف حرف ترجمان القرآن کی طرح حضرت مولینا کے تبحرِ علمی کا آئینہ دار ہے، اور بلا شائبہ تشکیک کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی لٹریچر

ین اپنی نوعیت کی یہ پہلی چیز ہے، کوئی تبصرہ نگار اس کے متعلق سوائے اسکے اور کیا کہہ سکتا ہی کہ

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تو،

اس عاجز نے بھی کئی مرتبہ اس تفسیر کو پڑھا، اور ہر بار نئے نئے نکات نادرہ کا انکشاف ہوا، لیکن اس مین دو ایک مقام ایسے نظر پڑے جنمین اعتقادی طور پر کچھ شبہہ معلوم ہوا اور غور و تفحص کے باوجود ان کا حل نہین مل سکا، مین منتظر تھا کہ کوئی صاحب علم ہستی اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالے تو شاید میرا عقدہ بھی ضمناً ہی حل ہو جائے، لیکن یہ انتظار اس وقت تک بے سود رہا، اور کسی طرف سے اس کے متعلق کوئی آواز سنائی نہ دی، ہر چند میری یہ کیفیت کہ حضرت مولینا کے مقابلہ مین:-

چشم بروئے او کشا باز بخویشتن نگر

کا مضمون ہے، لیکن اس خیال سے کہ ان شکوک کو زیادہ عرصہ کے لئے سینہ مین تھامے رکھنا الجھن اور پختگی دیا جائے گا، مجبوراً جسارت پذیر ہو رہا ہون، کہ معترضانہ نہین بلکہ سائلانہ حیثیت سے ان شبہات کو ارباب علم و ذوق کے سامنے پیش کر دون، کہ شاید خود حضرت مولانا یا کسی اور صاحب کی توجہ میرے لئے طمانیت قلب کا باعث ہو سکے،

(۱)

تفسیر مین "ایمان باللہ" کے متعلق حضرت مولینا نے نہایت شرح و بسط سے بحث کی ہے جس کا ملخص یہ ہے، کہ خدا کی ہستی کا اعتقاد ذہن انسانی کی پیداوار نہین، بلکہ یہ اوسکی فطرت کا وجدانی احساس ہے، البتہ جس چیز کی تخلیق ذہن انسانی کی رہین منت ہے، وہ تصور صفات باری تعالیٰ ہے اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نوع انسانی کے تصورات الوہیت مین مادی تصورات کی طرح ایک طرح کا تدریجی ارتقائی سلسلہ جاری ہی،

یہان تک تو صاف ہے، اور یہی امر وحی و نبوت کی ضرورت پر دلیل قاطع ہے کہ چونکہ ذہن انسانی تنہا، محض عقل و فکر کے آسرے پر تصور صفات مین غلطی سے مبرا نہین ہو سکتا تھا، اس لئے ماورائے سرحد ادراک کسی ایسی روشنی

کی ضرورت تھی، جو خارجی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر صحیح صحیح تصور الوہیت بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرے،
یہی وہ روشنی ہے، جسے مامورین من اللہ، بتقاضائے ضرورت وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ لے کر مبعوث ہوئے اور جب بھی
کسی قوم نے اس بیش قیمت تصور میں غلطی کی، اس پیغام کی تجدید کے لئے ایک اور منادتشریف لے آیا، لیکن اس سے آگے
جو کچھ حضرت مولینا نے فرمایا ہے، وہ غور طلب ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

"بہر حال انسان کے تمام تصورات کی طرح صفات الٰہی کا تصور بھی اس کی ذہنی و معنوی ترقی کے ساتھ
ساتھ ترقی کرتا رہا ہے، انبیاء کرام (علیہم السلام) کی دعوت کی ایک بنیادی اصل یہ رہی ہے، کہ انھوں نے ہمیشہ خدا
پرستی کی تعلیم ویسی ہی شکل و اسلوب میں دی جیسی شکل و اسلوب کے فہم و تحمل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہو گئی
تھی، وہ مجمع انسانی کے معلم و مربی تھے، معلم کا فرض ہے کہ متعلمین میں جس درجہ کی استعداد پائی جائے اسی
درجہ کا سبق دے، پس انبیاء کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفات کیلئے جو پیرایۂ تعلیم اختیار کیا، وہ اس سلسلۂ
ارتقاء سے باہر نہ تھا، بلکہ اسی کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے" (ترجمان ص۱۱۱)

اس شکل کے دو مختلف گوشے ہیں، ایک تو یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے صفات باری تعالیٰ کے متعلق ایک ہی
تصور ہر زمانے میں پیش کیا، البتہ جن الفاظ میں پیش کیا، وہ مخاطبین کے قدر عقول کے مطابق تھا، دوسرے یہ کہ انکا یہ پیغام
ہی وقتاً فوقتاً اسی سلسلۂ ارتقاء کی ایک کڑی ہوا کرتا تھا، جو نوعِ انسانی میں تدریجی جاری تھا، گویا ایک نبی (ع) جس
زمانہ میں آیا، اُس کا پیغام اپنے ماحول اور گرد و پیش کے ارتقائی تخیلات کے حدود کے اندر اندر ہوتا تھا، اور جوں جوں ذہن
انسانی نے ترقی کی، اس تصور میں بھی ترقی ہوتی گئی، حضرت مولانا کے بیان سے اس دوسری شکل کی زیادہ تائید ہوتی
ہے، کیونکہ ایک دوسرے مقام پر وہ اس سے ذرا واضح تر الفاظ میں فرماتے ہیں کہ

"اگر یہ تمام کڑیاں تاریخی ترتیب کے ساتھ یکجا کر دی جائیں تو صاف نظر آ جائیگا کہ اس سلسلہ کی سب آخری اور
اس لئے سب سے زیادہ ترقی یافتہ کڑی وہی ہے، جو قرآن نے نوعِ انسانی کے سامنے پیش کی ہے" (ترجمان ص۱۱۴)

اب یہ بالکل واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام کا یہ پیغام ذہنِ انسانی کے ارتقائی مدارج کا ساتھ دیتا رہا ہے، اور اس سلسلہ

کی آخری کڑی قرآنی تعلیم کی شکل میں پیش کی گئی ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ تعلیم قرآنی تعلیم کے مفہوم کے مطابق نہیں قرآن حکیم نے زمان و مکان کے اختلافات کی بنیاد پر شرائع و منہاج میں اختلاف و تباین کی ضرورت تو بتلائی ہے لیکن جہاں تک "ایمان باللہ" کا تعلق ہے اسے کہیں بھی ذہن انسانی کے ارتقائی مدارج کا تبیع نہیں بتایا، بلکہ یہ حقیقت عظمیٰ واضح کردی کہ جہاں اور جیسا بھی ذہن انسانی نے اس بارے میں غلطی کی، یا دانستہ طور پر اس میں تحریف کی، تو اس منحرف یا فراموش کردہ پیغام کی تجدید کے لئے ایک اور پیغامبر تشریف لے آئے اور حضرت آدم سے نبی اکرم صلعم تک بلا لحاظ احوال و ظروف ایک ہی اصول پیغام پیش کرتے رہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً	اور بلا شبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر مبعوث کیا،
ان اعبدوا اللہ و اجتنبوا الطاغوت (۱۶: ۳۸)	جس کی تعلیم یہ تھی)، کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچتے رہو

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی	(اے پیغمبر) ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول بھی دنیا میں نہیں بھیجا
الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون (۲۱: ۲۴)	مگر اس ہی کیساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں بس میری ہی

سورہ نساء میں اسے اور بھی واضح طور پر بیان کیا ہے،

انا اوحینا الیک کما اوحینا : :	ہم نے آپکے پاس وحی بھیجی ہے جیسی نوح کے پاس بھیجی تھی،
.. ..	اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس اور ہم نے ابراہیم اسمٰعیل
.. ..	اسحاق اور یعقوب اور آل یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس
.. ..	اور ہارون اور سلیمان کے پاس وحی بھیجی تھی، اور ہم نے داؤد
.. ..	کو زبور دی تھی اور ایسے پیغمبروں کو صاحب وحی بنایا جن کا
.. ..	حال اس سے قبل ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں، اور ایسے پیغمبروں

.. .. کو جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہین کیا، اور موسیٰ سے اللہ

.. .. تکلیما، (۴ - ۱۶۱) تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا،

سورۂ بقر آیت ۲۰۹ کے تشریحی نوٹ مین خود حضرت مولینا فرماتے ہین، کہ

"ہر رسول کی دعوت کا مقصد ایک ہی تھا، یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تلقین"

سو ظاہر ہے کہ جب تمام انبیاء کرام خدائے واحد کی تعلیم پیش کرتے تھے، تو جس "خدا" کا نام لیتے تھے، اوسکی صفات کی تشریح بھی تو فرماتے ہوں گے، ذہنِ انسانی مین اللہ تعالیٰ کا تصور اسی صفاتی تشریحات پر مبنی ہوتا ہے، لہذا اگر یہ تفصیل و تشریح ایک دوسرے سے مختلف ہو جائین، تو تصورِ الوہیت بھی مختلف ہو جائے گا، اور یہی اختلافِ تصور ہی تو ہے، جسکی بنا پر "خدا پرستون" مین خود اس قدر اختلاف موجود ہے، اور یہی اختلاف ہی جس کے مٹانیکے لئے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے! اور یہ اسی صورت مین مٹ سکتا تھا، کہ صفاتِ باری تعالیٰ کا ایک ہی تصور ہر حال مین پیش کیا جاتا، اور یہی "لا الہ الا ھو" سے مقصود ہی، کہ اوس ایک "الٰہ" کا صحیح صحیح تصور ذہن نشین ہو جائے، ورنہ ذاتِ "الٰہ" کا یقین دلانے کی تو بقول حضرت مولینا ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ یہ تو انسانی فطرت کا وجدانی احساس ہے،

بہرکیف حضرت مولینا کے سورۂ فاتحہ کی تفسیر والے بیان کا مفہوم اگر وہی ہے، جو یہ عاجز سمجھا ہے اور جو اس سے بظاہر مترشح ہوتا ہی تو وہ قرآنی تعلیم کے مطابق معلوم نہین ہوتا، اور اگر اوس کا مفہوم یہ نہین تو اوسکے مطلب مین کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے کیونکہ اسکی موجودہ شکل مین ایک بہت بڑے شبہہ کا دروازہ نکل رہا ہے، جو اس دور مادہ پرستی مین جب کہ عام طبائع کا رجحان پہلے ہی اس طرف جارہا ہے، کہ نبی کی حیثیت اپنی قوم کے ایک ریفارمر سے زیادہ نہین ہوسکتی، ایک فتنۂ عظیم برپا کرنے کا موجب بن جائے گا،

(۲)

دوسرا مسئلہ بہت اہم ہے، اور حقیقت یہ ہی کہ اگر تفسیر یا حواشی ترجمہ کا سرسری مطالعہ بھی کیا جائے، تو یہ امر

واضح ہوجاتا ہے کہ دراصل یہی ایک پیغام ہے، جو حضرت مولینا لوگون تک پہنچانا چاہتے ہین، اس پیغام کی تفصیل تو بہت طویل ہے لیکن اس کا ماحصل یہ ہے، کہ تمام مذاہب عالم اپنے اپنے طریقہ پر سچے ہین، اور اصل دین "خدا پرستی" اور نیک عملی" کی تلقین ہے، اور شرائع و منہاج کے اختلاف پر جو گروہ بندیاں بنائی گئی ہین وہ اس تعلیم کے منافی ہین، بظاہر یہ اصول مذہب نہایت خوش آیند معلوم ہوتا ہے، اور یاور ہی نہین کیا جاسکتا کہ اسمین کسی اعتراض کی گنجایش ہوسکتی ہو، لیکن اس اجمال کی تفصیل پر اگر نظر ڈالی جائے، تو اوسکے بہت سے گوشے ایسے نکلین گے جنھین بمشکل سے تسلیم کیا جاسکے گا، بہتر ہے کہ اس تفصیل کو حسبۂ حسبۂ مقامات سے خود حضرت مولینا کے الفاظ ہی مین پیش کیا جائے، تاکہ صحیح مفہوم کے سمجھنے مین غلطی کا امکان نہ رہے،

تفریق بین الرسل و تحزب و تشیع کے تفصیلات کی بحث کے خاتمہ پر آپ ارشاد فرماتے ہین:-

(خلاصۂ بحث) متذکرۂ صدر تفصیلات کا ماحصل حسب ذیل دفعات مین بیان کیا جاسکتا ہی،

(و) اس نے (قرآن نے) صاف لفظون مین اعلان کردیا، کہ اوسکی دعوت کا مقصد اسکے سوا کچھ نہین ہو کہ تمام مذاہب اپنی مشترک اور متفقہ سچائی پر جمع ہوجائین وہ کہتا ہے، تمام مذاہب سچے ہین، لیکن پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہوگئے ہین، اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کرلین، تو میرا کام پورا ہوگیا، اور اونھون نے مجھے قبول کرلیا، تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ سچائی ہے، جسے وہ "الدین" اور "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہی،

(ھ) اوس نے بتلایا کہ تمھاری مذہبی گروہ بندیون اور اون کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت مین کوئی دخل نہین، یہ گروہ بندیان تمھاری بنائی ہوئی ہین، اور خدا کا ٹھہرایا ہوا دین ایک ہی ہے، وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی، جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کریگا، اوس کے لئے نجات ہی، خواہ وہ تمھاری گروہ بندیون مین داخل ہو یا نہ ہو، (ترجمان ص ۱۶۳)

دوسری جگہ فرماتے ہین:-

"اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہین کہ اوس نے (قرآن نے) کسی مذہب کے پیرو سے بھی یہ مطالبہ نہین کیا کہ وہ کوئی نیا عقیدہ

یا نیا اصول قبول کرلے، بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہوجائے"۔ (ترجمان ص ۱۵۲)

سورۂ بقرآیت ص ۱۷۲ کے تشریحی نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسیطرح کی کوئی دوسری بات اختیار کرلیجائے، بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے، اور اصل شے دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے، شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہیں تاکہ یہ مقصود حاصل ہو جائے" (" ص ۲۲۹)

اسی کے آگے درج ہے" جہاں تک دین کا تعلق ہے، ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے، نہ کہ وسائل کی"

خلاصہ اس بحث کا یہی ٹھہرا کہ نجات کے لئے یہی کافی ہے کہ

۱۔ ایک خدا کی پرستش کیجائے،

۲۔ اپنے اپنے خیال کے مطابق یا اپنے اپنے مذہبی اعتقاد کے مطابق جس عمل کو نیک سمجھا جائے اوس پر عمل پیرا ہوا جائے، اور

۳۔ حصول مقصد (یعنی کسی خاص "مقام" پر پہنچ جانے کے بعد شریعت کے ظاہری رسوم و احکام کو بھی خواہ چھوڑ دیا جائے،

اور یہ ضروری نہیں کہ:۔

(۱) ایمان کو کسی خاص شرط سے مقید کیا جائے، (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ، کتب الٰہی، انبیاء کرام و آخرت پر بھی اسی شکل میں ایمان لایا جائے، جس شکل میں قرآن نے پیش کیا، اور نبی اکرمؐ نے کرکے دکھایا)

(۲) احکام و عوامل، اوامر و نواہی میں شریعت محمدی کی ہی پیروی کیجائے اور عبادت و مناسک میں قرآنی احکام کا ہی اتباع کیا جائے،

۳۔ حرام و حلال (کھانے پینے کی پابندیوں) میں قرآن کے فیصلوں کو ہی قول فیصل مانا جائے،

بظاہر یہ تعلیم بڑی نظر فریب اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے، اور اسمین بڑی مفاہمت اور مصالحت کی جھلک نظر پڑتی ہے، کہ جسکی برادری ایک عالمگیر وسعت بداماں ہوگی، اور دنیا مین پھر کوئی اختلاف و نزاع باقی نہ رہیگا، لیکن دیکھنا ہے کہ نجات و سعادت کی یہ شکل قرآنی زاویۂ نگاہ سے کہان تک واجب التسلیم والعمل ہے، سب سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اگر یہ تعلیم قابلِ عمل بھی ہو تو کیا اس سے وہ مقصدِ عظیم حاصل ہو سکے گا جس کے حصول کے لئے حضرت مولٰینا نے یہ تعلیم تجویز فرمائی ہے یعنی گروہ بندیون اور تحزب و تشیع کا وجود فی الواقعہ دنیا سے اوٹھ جائے گا، اس مین شبہہ نہین، کہ اس تعلیم مین بہت بڑی لچک موجود ہے، اس لئے یہ حلقہ زیادہ کھینچنے سے ٹوٹے گا نہین لیکن یہ حلقہ برادری کتنا ہی بڑا کیون نہ ہو جائے، پھر بھی اس مین ایک "گروہ بندی" کی شکل موجود رہے گی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ گروہ بندی ایک بہت بڑی گروہ بندی ہوگی جس مین بہت سی چھوٹی چھوٹی گروہ بندیان جذب ہو جائین گی، لیکن "وسعتِ تحزب" سے عدم تحزب کیسے لازم آجائے گا، گروہ بندی تو بہرحال قائم رہیگی،

وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری ؎ چھپے جو مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی

اسکے بعد یہ دیکھنا ہے کہ کیا آج صفحۂ ہستی پر کوئی گروہ ایسا بھی موجود ہے جس کے اصولِ زندگی یا اصول مذہب من وعن وہی ہون، جو حضرت مولٰینا نے تجویز فرمائے ہین، اور اگر کوئی ایسا گروہ موجود ہے تو اس جدت کی پھر کیا ضرورت کیون نہ اسی حلقہ کو وسیع کیا جائے، اس تلاش کے لئے ہمین زیادہ دور جانے کی ضرورت نہین، خود ہمارے ہندوستان مین ایک ایسا گروہ موجود ہے جسکی تعلیم حرفاً حرفاً وہی ہے، جو حضرت مولانا نے پیش کی ہے، برہمو سماج کے نام سے آج کون واقف نہین، اس کے بنیادی اصول ہی "خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی" ہین، لفظ "برہما سماج" کے معنی ہی ایسا گروہ ہین، جو خدا پرست ہو، ان کی توحید کا عقیدہ جسقدر منزہ عن الشرک ہے اوسکی تفصیل بانی سماج سوامی رام موہن رائے کے سب سے پہلے رسالہ تحفۃ الموحدین مین موجود ہے، اس سماج کے اجتماع کے لئے آج سے قریب ایک سو سال پیشتر جیت پور روڈ پر جو عمارت تعمیر کی گئی تھی اوسکے TYUSTDEED (وثیقہ وقف) مین یہ عبارت موجود ہے:۔

"یہ عمارت اس غرض کے لئے تعمیر کی گئی ہے کہ اوس مین بلا تفریق (مذہب وملت) ہر قسم کے ایسے لوگ جمع ہوا کرین، جنکا باہمی سلوک نہایت شریفانہ ہتین، اور نیک ہو، اور جو عالمانہ مذہبی عقائد کے ساتھ اُس ایک خدا کی پرستش اور تسبیح وتقدیس کے لئے جمع ہوا کرین جو کہ ازلی اور ابدی ہے، جس کو عقل انسانی کی تلاش سے پایا نہین جاسکتا، جو نقائص سے منزہ ہے، جس کی ذات اس عالم موجودات کی خالق اور محافظ ہے، او جسے اس نام کے علاوہ کسی اور ایسے نام سے مخاطب نہین کیا جاسکتا جو اوس کے علاوہ کسی اور ذات کیلئے، کسی انسان یا انسانون کی جماعت کیلئے بولا جاتا ہو اس عمارت مین کسی قسم کا کوئی کندہ کردہ مجسمہ، تصویر، بت، نقاشی کی شکل کوئی انسانی تصویر، یا کوئی ایسی چیز جو ان سے ملتی جلتی ہو، ہرگز داخل نہین کی جائیگی..."

ان کے مذہبی عقائد مین یہ چیزین شامل ہین،

۱۔ خدا کو واحد کی اور صرف اسی کی پرستش کیجائے، خدا کا کوئی اوتار نہ مانا جائے بت پرستی کی مخالفت کیجائے،

۲۔ صحیفۂ فطرت کو مذہبی اعتقادات کا بنیادی اصول مانا جائے،

۳۔ اگرچہ اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد کسی خاص کتاب پر نہ رکھی جائے لیکن ہر الہامی کتاب کی صداقت وحقانیت کو تسلیم کیا جائے،

۴۔ ہر مذہب کے سچے اصولون کو اعتقادی اصول مانا جائے،

۵۔ ظواہر ورسوم پر اعتقاد نہ رکھا جائے، بلکہ مقصد اصلی قلبی صفائی کو قرار دیا جائے،

وغیرہ وغیرہ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا اور سائیکلوپیڈیا، اوف ریلیجنس اینڈ ایتھکس از جیمس ہیسٹنگز)

حضرت مولینا کی تعلیم اور مندرجہ صدر عقائد کو ایک دوسرے کے مقابلہ مین رکھکر موازنہ فرمایئے، ایک حرف کا بھی فرق نظر نہین آئے گا، اب سوال یہ ہے کہ اگر "الدین" اور "الاسلام" یہی ہے، جو برہمو سماج کہان موجود ہے تو کیون نہ اوسی حلقہ کو زیادہ وسیع کیا جائے لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان اصولون کو مانتے ہوئے برہمو سماج پھر بھی ایک علیحدہ گروہ تسلیم کیا جاتا ہے اور اوسے یا کسی اور ایسے ہی گروہ کو وسیع کردینے پر بھی وہ علیحدہ گروہ رہیگا،

اس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ قرآن حکیم مین اوسکے متعلق کیا ارشاد ہے، ہرچند یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم مین تنگ نظری

اور تعصب کی کوئی گنجایش نہین لیکن جو وسعت و مفاہمت اصول و عقائد کی قیمت پر خریدی جائے، قرآن اسکی بھی اجازت نہین دیتا، جہانتک یہ عاجز سمجھا ہی، قرآن کریم کی تعلیم اس ضمن مین یہ ہے کہ

۱- تمام انبیائے کرامؑ خدائے تعالیٰ کی طرف سے سچے اصول دین لیکر مبعوث ہوئے تھے،

۲- تمام الہامی کتابین خدا کی طرف سے سچی اور برحق تھین،

۳- تمام شرایع و منہاج اپنے اپنے وقت مین واجب العمل اور خدا کا بتایا ہوا سچا راستہ تھین،

لیکن چونکہ الہامی کتابین دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکین، شرعی احکام کی صورت انسانی تحریف نے مسخ کردی اور کسی عمل و عقیدہ کے متعلق حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہوگیا کہ یہ اللہ کا پیغام ہے یا انسانی تحریف، نیز احوال و ظروف کے بدلنے سے وقتی شرایع مین بھی تبدیلی ہوتی گئی، لہذا تمام سابقہ سچائیون کو ایک مجموعہ کی شکل مین "تالیف" کرکے اپنے آخری پیغام کی صورت مین دنیا پر نازل فرما دیا، اور اوسکی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا، (نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون)

لهذا، نبی اکرمؐ کی بعثت مبارک قرآن کی تنزیل کے بعد، نجات و سعادت کے لئے یہ ضروری ٹھہرا، کہ

[illegible]

۱- اللہ تعالیٰ پر ایمان انھی شرائط و پابندیون کے ساتھ وابستہ کیا جائے جو قرآن نے تجویز کی ہین،

اسلئے کہ اللہ کو نہ ماننے والے تو بالکل النادر کالمعدوم ہین بس جو چیز "خدا پرستون" مین اختلاف ہے، وہ یہی قیود و شرائط ہی ہین،

۲- محمد رسول اللہ صلعم کے اسوۂ حسنہ کو عملی زندگی مین خضر راہ بنایا جائے،

اس لئے کہ قرآن اگر نقوش و حروف کی شکل مین ہے تو حضورؐ کی زندگی اوس کا عملی نمونہ ہے اور تسلیم بلا عمل کے سمجھنے مین دقت ہے

۳- عبادت و مناسک، اوامر و نواہی، غرضیکہ تمام عمل و احکام مین شریعت محمدی (یعنی احکام قرآنی) کا اتباع کیا جائے،

اس لئے کہ قرآن خدا کا آخری پیغام ہونیکی وجہ سے اعلیٰ ترین اصول حیات کا حامل ہی، اور ہر شعبۂ زندگی مین بلا لحاظ زمان و مکان بہترین احکام پیش کرتا ہی، اور اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف رجوع کرنا کہان کی عقلمندی ہے،

اس اجمال کی تفصیل اس عاجز کے مضمون "ایمان و عمل" مطبوعہ معارف بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۳ء میں گذر چکی ہی، قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس مضمون پر ایک دفعہ پھر نظر ڈالیں جس سے میرے اس بیان کی تائید بحوالہ آیات قرآنی ہوجائیگی، اس کے علاوہ ذیل کے مقامات کا پیش نظر رکھنا بھی مفید ہوگا، جن کا ترجمہ مین نے ترجمان القرآن ہی سے نقل کیاہے، سب سے پہلے خداپرستی اور نیک عملی کی تعلیم کے لئے نبی اکرمؐ کی اتباع و اطاعت کے متعلق قرآن کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے، ارشاد ہے:-

(۱) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی .. .. غفور رحیم (آل عمران - ۲۹)	(اے پیغمبر) ان سے کہدو کہ اگر واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو تمھیں چاہئے کہ میری پیروی کرو اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور تمھاری خطائیں بخشدیگا، جو بڑا ہی بخشنے والا، اور رحمت ۲

(حاشیہ از حضرت مولینا:- جو کوئی اللہ سے محبت رکھنے کا دعویدار ہے، تو اوسے چاہئے کہ اللہ کے رسول کی پیروی کرے، اللہ کی محبت کا دعویٰ اور اوس کی راہ بتلانے والے کی پیروی سے انکار ایک دل مین جمع نہین ہوسکتے، ترجمان صد ۲۸)

(۲) یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول.......... (النساء ۶۲)	مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو،

(حاشیہ، مسلمانون کیلئے اصل دین یہ ہو کہ اللہ کی اطاعت کرین، اللہ کے رسول کی اطاعت کرین،.. پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ مین نزاع پیدا ہوجائے، توچاہئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کیطرف رجوع کرین، اور جو فیصلہ وہ اوس کے آگے سرتسلیم خم کردین، ترجمان صد ۳۴۷)

(۳) وما ارسلنا من رسول الا	(حاشیہ) اور صاف صاف کہدیا ہے کہ جو شخص اللہ کے رسول کے

سلہ ان حوالجات مین مین نے اسی حد تک اپنے آپ کو محدود رکھاہے جہانتک ترجمان القرآن جلداول طبع ہوکر ہمارے سامنے آچکی ہی،

لیطاع باذن اللہ ۔ النسآء ۶۴) ...	اور فیصلہ پر یقین نہین رکھتا وہ کبھی سچا مومن نہین ہوسکتا یقین کے لئے صرف یہی کافی نہین، کہ حکم مان لیا جائے، بلکہ لایجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت" ایسی حالت پیدا ہوجائے، کہ حکم رسول کے خلاف دل مین کوئی تنگی و خلش بھی محسوس نہ ہو ، (ترجمان ص ۴۴۳)
(۴) یاایھا الناس قد جاءکم رسول بالحق ..... خیرلکم (النسآء ۱۶۸)	اے افراد نسل انسانی بلاشبہ الرسول (یعنی پیغمبر اسلام) تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس سچائی کے ساتھ آگیا ہے، (اور اوسکی سچائی اب کسی کے جھٹلائے جھٹلائی نہیں جاسکتی) پس ایمان لاؤ کہ تمھارے لئے (اسی مین) بہتری ہے" (ترجمان ص ۴۷۳)

تفسیر مین حضرت مولینا خود ایک جگہ فرماتے ہین ،:-

"کوئی شخص دائرۂ اسلام مین داخل ہوہی نہین سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے ، .... اس اقرار مین جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے، ٹھیک اوسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا بھی اعتراف ہے" (ص ۱۱۹)

معلوم نہین جب ایک طرف یہ تعلیم ہو کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہوجائے اور یہ بھی ضروری نہ ہو کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اس قسم کی کوئی دوسری صورت اختیار کرلی جائے، تو رسول اکرم کی پیروی پھر کس بات مین کیجائے،

اسکے بعد قرآن کریم پر ایمان لانے کے متعلق ملاحظہ فرمائیے، یون تو سارا قرآن اس بات پر شاہد ہے کہ نجات

وسعادت کے لئے قرآن کریم کے احکام پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے لیکن بخوف طوالت مین یہان صرف ایک حوالہ پر اکتفا کرتا ہون حضرت مولینا نے فرمایا ہے کہ اصل دین یہ ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کار بند ہو جائے" لیکن قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ ایک یہودی وعیسائی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائے، چنانچہ ارشاد ہے:-

وَإِذَا سَمِعُوا .... محسنین (المائدہ ۸۲-۸۶)

اور جب یہ عیسائی وہ کلام سنتے ہین جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا ہے، تو تم دیکھتے ہو، کہ اون کی آنکھین جوش گریہ سے بہنے لگتی ہین، کیونکہ اونھون نے (اس کلام کی) سچائی پہچان لی ہے، اور وہ (بے اختیار) بول اوٹھتے ہین "خدایا ہم (اس کلام پر) ایمان لائے، پس ہمین بھی اونھی مین سے لکھ لے جو تیری سچائی کی گواہی دینے والے ہین" اور (وہ کہتے ہین) ہمین کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اوس کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے ایمان نہ لائین، اور اللہ سے اس کی توقع نہ رکھین کہ وہ ہمین نیک کردارون کے زمرے مین داخل کر دے؟ تو دیکھو خدا نے ان کے اس کہنے کے صلے مین انھین (نعمت و سرور ابدی کی) جنتین عطا فرمائین، جن کے نیچے نہرین بہہ رہی ہین، (اور اس لئے ان کی بہار کے لئے کبھی خزان

نہیں) وہ ہمیشہ انھیں جنتوں مین رہینگے اور ایسا
ہی بدلہ ہے جو نیک کرداروں کے لئے ٹھہرا دیا گیا ہے"

(ترجمان صفحہ ۴۰۵)

اب شرع و منہاج کا سوال بس کے لئے حضرت مولینا فرماتے ہین کہ اسکی بھی کوئی ضرورت نہین کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی قسم کی کوئی دوسری صورت اختیار کیجائے، سو اول تو قرآن پر ایمان لانے کے معنی ہی یہی ہین کہ اوس کے احکام پر عمل پیرا ہوا جائے، لیکن اصولی طور پر اس کی ضرورت کے متعلق خود حضرت مولینا ما ننسخ من آیۃ او ننسھا (۲: ۱۰۰) کے حاشیہ مین تحریر فرماتے ہین :-

"ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لئے ہوا کہ یا تو نسخ کی حالت طاری ہوئی، یا نسیان کی، "نسخ" یہ ہے کہ ایک بات پہلے سے موجود تھی لیکن موقوف ہوگئی، اور اوسکی جگہ دوسری بات آگئی "نسیان" کے معنی بھول جانے کے ہین پس بعض حالتون مین ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی نہ کسی شکل مین موجود تھی، لیکن احوال و ظروف بدل گئے تھے، یا اوس کے پیروون کی عملی روح معدوم ہوگئی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور مین آئے (؟ پرویز) بعض حالتون مین ایسا ہوا کہ امتداد وقت سے پچھلی تعلیم بالکل فراموش ہوگئی، اور اصلیت مین سے کچھ باقی نہ رہا، پس لامحالہ تجدید ہدایت ناگزیر ہوئی، سنت الٰہی یہ ہے کہ نسخ شرائع ہو یا نسیان شرائع لیکن ہر نئی تعلیم پچھلی تعلیم سے بہتر ہوتی ہے، یا کم از کم اوس کے مانند ہوتی ہے ایسا نہین ہوتا کہ کمتر ہو کیونکہ اصل تکمیل و ارتقاء ہے نہ کہ تنزل و تسفل" ترجمان صفحہ ۲۰۳، ۲۰۴)

سمجھ مین نہین آتا کہ جب ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر نجات حاصل کر سکتا ہے، تو پھر "نسخ شرائع" کی کیا ضرورت؛ اور جب نسیان شرائع کا وجود بھی مانا جاتا ہے، تو ہر گروہ اپنے مذہب کی "حقیقی تعلیم" کو کہان سے ڈھونڈ کر لائے، حیرت اندر حیرت است و مشکل اندر مشکل است،

مین یہان تک لکھ چکا تھا کہ حسن اتفاق سے مجھے خود حضرت مولینا کا ایک سلسلۂ مضامین خاص انہی موضوعات پر مل گیا، جو اونھون نے آج سے قریب ۲۰ سال پیشتر شایع فرمایا تھا، مناسب معلوم ہوا کہ جستہ جستہ مقامات

سے اس سلسلہ کی کچھ کڑیاں پیش کردی جاتی ہیں، تاکہ ان شبہات کا خود حضرت مولانا کے الفاظ سے ہی فیصلہ ہوجائے۔

۱۹۱۳ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا نے جماعت "حزب اللہ" کے نام سے ایک تحریک کی بنا ڈالی تھی، اور اس غرض کے لئے انھوں نے "الہلال" میں "الدار، والدار" کے زیر عنوان کئی متفرق اشاعتوں میں یہ سلسلہ مضامین شائع فرمایا تھا۔ اس وقت میرے پیش نظر ۲۰ رجون تا ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کے پرچے ہیں، ادرذیل کے اقتباسات انہی پرچوں سے لئے گئے ہیں، یہاں یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ جماعت حزب اللہ کی بنا حضرت مولانا نے کسی خاص سیاسی یا معاشرتی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے نہیں ڈالی تھی، بلکہ ان کے الفاظ میں وہ ٹھیٹ اسلامی جماعت تھی، چنانچہ آغاز تحریک میں وہ اپنے مطلب کو ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں:۔

"بہتر ہے کہ میں اپنے مطلب کو زیادہ واضح کردوں، میرا مقصود اس صدائے دعوت سے ہے، جو محض آجکل کی مصطلح تحریک اور ایک رسمی آواز ہی نہ ہو، بلکہ اسکی داعی ایک ایسی جماعت ہو جو اپنی زبانوں کی طرح اپنے اعمال کے اندر بھی ایک صدائے دعوت رکھے، جو سرسے پیر تک اس دعوت کا ایک پیکر مجسم ہو، جو دنیا کو اللہ کی طرف بلانے سے پہلے خود اللہ کیلئے ہوچکی ہو۔......... اوسکے اندر حقیقت اسلامی کی عملی روح ہو اوس کا دل جمال الٰہی کا مسکن اور اس کا چہرہ حسن حقیقت کا حجاب ہو، وہ دنیا کی تمام طاقتوں اور ماسوا اللہ قوتوں سے باغی ہوکر صرف خدائے اسلام کی وفادار اور تابع احکام ہو"۔

.... (الہلال ۲ جولائی ۱۹۱۳ء)

جب کہ میرا اشارہ ایک ایسی جماعت کی طرف ہے تو پھر کیوں متعجب ہوتے ہو۔ کہ اگر میں نے اوسکی صدا کو صدائے حق اور اوسکے جمال کو جمال الٰہی کہا، حالانکہ جو نفوس قدسیہ نفس و شیطان کے تسلط کی زنجیروں کو توڑ کر حقیقت اسلامیہ کی محویت و خود فروشی کے مقام کو اپنے اوپر طاری کرلیتے ہیں یعنی اپنی تمام قوتوں اور خواہشوں کے ساتھ اللہ کے ساتھ بک جاتے ہیں اور ہر طرف سے گردن موڑ کر صرف اوسی قبلۂ ارواح و کعبۂ قلوب کے آگے منہ کرلیتے ہیں، پھر وہ مسلم ہوتے ہیں، اور "اسلام" کے معنی گردن کے رکھدینے حوالہ کردینے اور جھکا دینے کے ہیں۔.........." (ایضاً)

پھر ان کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے،

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان	یہی وہ سچے مومن ہین جن کے دلون کے اندر خدا نے
.. ..	ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی نصرت
.. ..	فرمائی ہے، نیز وہ انہین کامیابی و فتحمندی کے ایسے باغون
.. ..	مین داخل کریگا، جن کے نیچے نہرین بہ رہی ہونگی
.. ..	اور وہ ہمیشہ اوس کا عیش ابدی حاصل کرین گے، یہی
.. ..	وہ خدا کے خاص بندے ہین جن سے وہ راضی ہے اور وہ خدا
.. .. .. و رضوا عنه (۹۸ : ۲۱)	سے راضی ہین" (الہلال ۳ر دسمبر ۱۹۱۳ء)

گویا بارگاہِ الٰہی مین انکا درجہ یہ ہے کہ وہ خدا سے خوش اور راضی ہین اور خدا اون سے خوش اور راضی ہے، اور یہ انتہاء مراتب عباد اللہ ہے، پھر دائمی نشاط کار و سرور فتحمندی، اور فلاح دارین اونکا صلہ ہے، لہذا نجات و سعادت کی راہین اس جماعت پر کھل جائین گی، اوسکے بعد اس جماعت کا نام تجویز فرماتے ہوئے ارشاد ہے:-

"یہ جماعت "حزب اللہ" کے نام سے موسوم ہوگی، کہ خدائے تعالیٰ نے مومنین مخلصین کو اسی لقب سے ملقب فرمایا ہے،

"الا ان حزب اللہ ھم الغالبون" (ر)

یہ تو ہوئی "گروہ بندی"، اب سوال یہ ہے کہ تعین جماعت کے لئے تخاطب مین مسلمانون کی تخصیص کیون کی گئی ہے، اور اونھین وہ کونسا امتیازی تفوق حاصل ہے، جس کی بنا پر یہ شرف و اعتبار اون کے حصہ مین آیا، فرماتے ہین:-

..... بلکہ ہم کو (مسلمانون کو) بتایا گیا ہے کہ تمام دنیا تمھارا گلہ ہے اور تم اوس کے چرواہے ہو، یہ تمام انسانی آبادیان تم کو دی گئی ہین تاکہ اللہ کی طرف سے تم اون کی حفاظت کرو، اور گرگ ابلیس کے خونخوار حملون سے اون کو بچاؤ، تم کو بہترین امت اور افضل ترین امم بنایا گیا تاکہ تم ارضِ الٰہی کے خدمتگذار بنو، اور تم کو دنیا مین اوس نے اپنی جماعت اپنی فوج اور قائم مقام قرار دیا، تاکہ اوسکی ہدایت کا علم

صرف تمھارے ہی ہاتھ مین ہو، اور اوس کے تمام بندے اوس کے سایہ کے نیچے آکر پناہ لین ......

.... پھر غور کرو کہ کس طرح تمام دنیا کی اصلاح وسعادت کا ہمین ذمہ دار

بتایا ہے، اور کہا ہے کہ تم ہی ہو جو اوس کے لئے شاہد ہو سکتے ہو، کیونکہ زمین پر تمھارے

سوا اور کوئی نہین جس کے لئے ہمارا رسول شاہد ہو" (الہلال بابت ۲۰ جولائی ۱۹۱۳ء)

اللہ اللہ کس درجہ بلند مقام ہے، جو جماعت مسلمہ کو عطا فرمایا گیا ہے، اور کس قدر عالی منصب ہے جو انھین

تفویض کیا گیا ہے کہ تمام افراد نسل انسانی کے رشد و ہدایت اور حفاظت وجہانبانی کی ذمہ داری اُن پر

عائد کی گئی ہے، اور انھین بہترین امت اور افضل ترین امم قرار دیا گیا ہے، یہ کیون، اس لئے کہ

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا.. .. .. پھر پچھلی قومون کے بعد ہم نے اپنے بندون مین سے اون لوگون کو کتاب الٰہی (قرآن) کا وارث

- - - - .. ٹھہرایا جن کو ہم نے اپنی خدمت کے لئے اختیار

ذٰلك ھو الفضل الکبیر (۳۵-۲۹) کرلیا، (یعنی مسلمانون کو) ..... (رر)

اس کے بعد ان شرائط اور پابندیون کا ذکر ہے جو اس جماعت مین داخل ہونے والون پر عائد کی جائین گی،

اس کے لئے جماعت کے تین مدارج متعین کئے گئے تھے، پہلا درجہ احساس وایقان کا تھا، یعنی ایثار و قربانی کیلئے

دل مین ایک تڑپ پیدا کی جائے، اس کے بعد دوسرا درجہ قوتِ عمل کے مظاہرہ کا تھا، اس مین یہ نہین کہا گیا کہ بلا

تعریف وتخصیص "نیک عملی" کی زندگی کی جائے، بلکہ فرمایا:-

"لیکن اس کے لئے اولین شرط یہ ہوگی کہ داخل ہونے والا امور ذیل کی پابندی کا مومنانہ

ومخلصانہ عہد کرے، نیز جس قدر زمانہ پہلی جماعت مین بسر کر چکا ہے، اوس کے نتائج اس

کے عہد کی صداقت کا یقین دلائین،

۱- تمام احکام شریعت کی، ان کی تمام شرائط وارکان کے ساتھ سچی پابندی کرنا اور ازسرتا

یا اپنے تمام اعمال و افعال حیات اور تعلقات و لوازم زندگی میں یکسر پیکر شریعت اور مجسمۂ اسلامیت ہونا،

۲۔ حکم اسلام اور شریعت اسلامیہ کی اطاعت کا بتدریج وہ مرتبہ حاصل کرنا اور اس طرح اس کے احکام کی عظمت و سطوت اپنے اوپر طاری کر لینا کہ اس کا ہر حکم فرمان قضا اور اس کا ہر اشارہ فیصلہ کن جسم و جان ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔“ (الہلال ۱۰ر دسمبر ۱۹۱۳ء)

گویا شریعت محمدی کا اتباع نہایت ضروری ہے، اور یہ اس لئے کہ

“اسلام ایک آخری دین الٰہی تھا جس نے نہ صرف احکام شریعت میں ہی بلکہ حیات قومی کی ہر شاخ میں ہم کو سب سے آخر اور سب سے بہتر اصول دے دئے، اور دنیا خواہ کتنی ہی بدل جائے لیکن آزمالیا جا سکتا ہے، کہ ان اصولوں کی صداقت کو بدلنے کی ضرورت نہیں،۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر ”اتمام نعمت“ کا لفظ کہکر بتا دیا، کہ جو اصول ان کو دئے گئے ہیں وہ چونکہ آخری ہیں، اس لئے اعلیٰ ترین بھی ہیں، اور اب ان کے پاس زر و جواہر کی کائنات مہیا ہو گئی ہیں، پس ان کو دوسروں کے خزف ریزوں پر للچانے کی ضرورت نہیں۔“ (الہلال ۲۰ر جولائی ۱۹۱۳ء)

یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسلام سے مراد وہ متفقہ اور مشترکہ سچائی نہیں جو ہر مذہب میں پائی جاتی ہے، بلکہ وہ دین الٰہی ہے، جس نے احکام شریعت میں بہترین اور آخری اصول مسلمانوں کو دئے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ایک ہی چیز کا ”مشترک و متفق“ اور بہترین اور اعلیٰ ترین ہونا متضاد ہے،

اس کے بعد مولانا نے اس حقیقت عظمیٰ کا اعلان کہ نبی اکرم صلعم کی تشریف آوری کے بعد احکام اسلامی کے علاوہ کوئی تعلیم ذریعۂ نجات نہیں ہو سکتی، اس قدر واضح، غیر مبہم اور بین الفاظ میں فرمایا ہے، کہ وہ اس بحث کے لئے قول فیصل کا حکم رکھتا ہے، اور وہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کی موجودگی میں کسی مزید دلیل و حجت

کی ضرورت باقی نہین رہتی نہ ہی کسی تاویل و تسویل کی گنجائش بعثت نبی اکرم صلعم کے سلسلہ مین حضرت مولینا رقمطراز ہین :۔

.... یعنی وہ وجود اعظم و اقدس جس کے لئے دشت حجاز مین ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنے خدا کو پکارا ربنا وابعث فیہم رسولا منہم یتلوا علیہم آیاتک ویعلمہم الکتاب والحکمۃ ویزکیہم ۔ (۲ : ۱۲۱) جس کے نور مبین کی تجلی فاران کی چوٹیون پر موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی، جس کے عشق مین داؤد علیہ السلام نے نغمہ سرائی کی، جس کے جمال الٰہی کی تقدیس مین سلیمان علیہ السلام اپنے تخت جلال پر جھک گیا، جس کی طرف یوحنا علیہ السلام سے پوچھنے والون نے بیقرارانہ اشارہ کیا، اور جس کے لئے ناصرہ کے اسرائیلی نبی علیہ السلام نے اپنا جانا ہی بہتر سمجھا تا وہ اپنے باپ سے جو آسمان پر ہے سفارش کرے، اور اوس کو جو آنے والا ہے جلد بھیجدے، (یوحنا ۱۶:۷)

غرضیکہ جب وہ آنے والا آیا، اور خدا کی زمین آخری مرتبہ سنواری گئی، تا اوسکی ابدی حکومت جلال کا تخت بچھے اور پھر اوس کے فرمان آخری کا اعلان ہوا،

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین

(۳ : ۸۴)

اب سے جو انسان احکام اسلامی کی جگہ کسی دوسری تعلیم کو تلاش کرے گا، تو یقین کرو کہ اوس کی تلاش کبھی مقبول نہ ہوگی، اور اوس کے تمام کامون کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی ہوگا"

(الہلال بابت ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء)

یہ اقتباسات کسی مزید حاشیہ آرائی و خیال آفرینی کے محتاج نہین، ارباب ذوق خود اندازہ

فرما سکتے ہین، کہ اوس وقت حضرت مولینا کے نزدیک معیار نجات و سعادت وہی تھا، جو انھون نے آج تفسیر و ترجمان القرآن مین پیش کیا ہے، یا وہ جو اس عاجز نے گذارش کیا ہے۔ اس مین شک نہین، کہ بیس سال کے عرصہ مین احوال و ظروف بہت کچھ بدل چکے ہین، لیکن اصول و حقائق تو ہمیشہ اٹل اور غیر متبدل ہوا کرتے ہین، احوال و ظروف کی تبدیلی کا ان پر تو کچھ اثر نہین ہونا چاہیے، لیکن یہان تو یہ مشکل ہے کہ آیات قرآنی تک کے ترجمہ و مفہوم مین بین فرق پیدا ہو رہا ہے، مندرجۂ بالا آیت قرانی ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا ...... الخ کا مفہوم اور ترجمہ ۱۹۱۳ء کا بھی آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے، اب ۱۹۳۲ء عیسوی کا مفہوم اور ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائی ارشاد ہے:۔

"اور جب وہ (قرآن) کہتا ہے کہ "الاسلام" کے سوا کوئی دین اللہ کے نزدیک مقبول نہین تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے، کہ دین حقیقی کے سوا جو ایک ہی ہے۔ اور تمام رسولون کی مشترک تعلیم ہے، انسانی مسافت کی کوئی گروہ بندی مقبول نہین سورۂ آل عمران مین جہان یہ بات بیان کی ہے کہ دین حقیقی کی راہ تمام مذہبی رہنماؤن کی تصدیق و پیروی کی راہ ہے، وہین متصلًا یہ بھی کہدیا ہے:۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخسرین (۳: ۸۴)

اور جو کوئی اسلام کے سوا (جو عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ ہے) کوئی دوسرا دین چاہے گا تو یاد رکھو اوس کی راہ کبھی قبول نہ کی جائیگی، اور وہ آخرت مین یہ دیکھے گا، کہ اوسکی جگہ کمانے والون مین نہین، بلکہ نقصان اوٹھانے والون مین ہے،" (ترجمان صفحہ ۱۵۸)

"اسلامی احکام اور عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ" میں جو میں فرق ہے، وہ محتاج تشریح نہیں ہیں حضرت مولانا کی خدمت میں بصد احترام وعقیدت عرض کرنیکی جرأت کرتا ہوں کہ وہ تھوڑے سے وقت کے لئے ادھر توجہ فرما کر اتنا ارشاد فرما دیں کہ اون کے مندرجہ صدر (۱۹۱۲ء) کے خیالات اور آج کے مفہوم قرآن میں فی الواقعہ کچھ اختلاف ہے، یا اس عاجز کی غلط فہمی ہے، اور اگر اختلاف موجود ہے تو اون میں سے کونسا مفہوم صحیح ہے، اگر حضرت مولینا کی گوناگون مصروفیتیں اسکی اجازت نہ دیں (حالانکہ میرے نزدیک یہ بڑا اہم مسئلہ ہے) تو کوئی اور صاحب علم ہستی اس طرف توجہ فرما کر میرے شکوک رفع فرمادے کہ یہ بہت سے دلوں کیلئے موجب طمانیت ہوگا، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم،

قاضی تلمسانی اور اون کے صاحبزادے بہرام جنگ بہادرؒ

از

جناب محمد غوث صاحب، حیدرآباد، دکن،

معارف ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ ۲۹ نمبر ۵ مین "ارکاٹ کا گور غریبان" کے عنوان سے قاضی تلمسانی اور سعادت اللہ خان کی قبرون کے دو کتبے شائع ہوئے تھے، سعادت اللہ خان کا تذکرہ کسی اور موقع پر کیا جائیگا، ہمین ذیل کی سطرون مین قاضی تلمسانی کے حالات سامنے لانے ہین،

قاضی تلمسانی ارکاٹ کی مشہور ریاست خاندان والاجاہی سے وابستہ تھے حسن اتفاق سے نواب عظیم الدولہ بہادر اولین وظیفہ یاب نواب کرناٹک کے عہد کے چند رجسٹر دستیاب ہوئے ہین جنمین اس عہد کی چند اہم مراسلتین جو مختلف ارباب اقتدار کے درمیان ہوئی ہین، اور چند وابستگان دولت کی عرضیان اور یادداشتین محفوظ ہین، ان رجسٹرون مین سے ایک رجسٹر ۱۸۰۴ء کی مراسلت کا ہے، اس مین قاضی تلمسانی کے فرزند قادر نواز خان بہرام جنگ بہادر کی بھی ایک عرضی مع متعدد یادداشتون کے نقل کی گئی ہے، یہ عرضی انھون نے ریاست سے منقطع ہونے کے بعد جاگیر کی بحالی کے لیے ارباب اقتدار کی خدمت مین پیش کی تھی، وہان سے بغرض اظہار رائے نواب صاحب کے حضور مین آئی اور درج رجسٹر ہوئی، اس عرضی مین بہرام جنگ بہادر نے اپنے خدمات کے ماسوا اپنے والد ماجد کے حالات وخدمات کا بھی واضح تذکرہ کیا ہے، جس سے ان کے حالات پر روشنی پڑتی ہے،

قادر نواز خان بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ اُن کے والد شیخ محمد الانصاری المالکی تلمسان سے جو تونس وطرابلس کے قریب واقع ہے، بہ ارادۂ حج روانہ ہوئے، بعد ادائے فریضۂ حج ہندوستان کی سیاحت

کا ارادہ کیا اور براہ سورت دہلی مین وارد ہوے، محمد شاہ کا زمانۂ سریرآرائی تھا، بادشاہ کو جب اس نووارد مسافر کے کمالات اور علم وفضل کا علم ہوا تو باریابی کی عزت بخشی، اقامت دہلی کا امر ہوا اور تولیت و تدریس مدرسہ بادشاہی کی خدمت کا اعزاز عطا ہوا، چنانچہ فرمان بھی بہ مہر شاہی نافذ ہوا، روز بروز تقرب شاہی زیادہ ہوتا گیا اور خود جہان پناہ کو امور جہانبانی سے جب فرصت ملتی تو تجوید کا درس بھی اُن سے حاصل فرماتے، نادرشاہ کی آمد، محمد شاہ کا انتقال، احمد شاہ درانی کا ہنگامہ اور دیگر شاہان ہند کی حکمرانی کے واقعات سب اُن کی نظروں کے سامنے گذرے، شیخ کی جو عزت وتکریم محمد شاہ کے عہد مین تھی وہ آخر تک برابر قائم رہی، شاہ عالم نے الہ آباد سے دہلی کا قصد فرمایا تو شیخ نے بڑھاپے کا عذر کرکے مکہ معظمہ کی روانگی کی رخصت حاصل کی اور اسی قصد سے وارد مدراس ہوئے اور نواب والاجاہ بہادر سے خواہش کی کہ ہرسال ریاست والاجاہی کی جانب سے جو سرکاری جہاز قافلہ حجاج کو حجاز لیجاتے ہین ان مین سے کسی مین روانگی کی اجازت عطا کیجائے[1]، لیکن جب نواب والاجاہ بہادر کو قاضی تلمسانی کے علم وفضل کی اطلاع ہوئی، تو انھون نے بڑے اصرار سے شیخ کو اپنے پاس روک لیا، شیخ نے ہرچند رخصت چاہی، لیکن اجازت نہ ملی، پانچ سال تک نواب صاحب نے اپنے پاس مدراس مین روک رکھکر اوقات فرصت مین درس حدیث کا سلسلہ جاری رکھا، بعد ازان بہ کمال اصرار خدمت قضائے صوبہ ارکاٹ پر مامور کیا، نواب والاجاہ بہادر اور ان کے فرزند نواب امیر الامراء بہادر تکریم و تعظیم کے ساتھ عنایت نامہ جات لکھا کرتے، خدمت پر دو سال پورے ہوے تھے کہ نواب حیدر علی خان بہادر نے ہنگامہ برپا کر دیا، اسی ہنگامہ مین ہر علاقہ دار سرکاری ارکاٹ سے روانہ ہو گیا، صرف قاضی صاحب ارکاٹ مین رہ گئے اور اس وقت بے معاشی اور قحط سالی کے عالم مین ہر قسم کی تکلیف برداشت کرکے حق رفاقت اور خیرخواہی ادا کیا، نواب حیدر علی خان بہادر کے انتقال کے بعد ملک کرناٹک ارباب کمپنی کے تحت اقتدار آگیا، لارڈ جارج مکارٹنی

---

[1] نواب والاجاہ بہادر نے ریاست کی جانب سے دو جہاز تیار کرائے تھے جو ہرسال حجاج کو لاتے اور لیجاتے تھے، ایک جہاز کا نام "سفینۃ اللہ" تھا، ان جہازون اور نیز مصارف حرمین وحجاج کیلئے نواب صاحب نے بعض بندرگاہون کی آمدنی "وقف" کر دی تھی ۱۲

گورنر مدراس کو قاضی صاحب کا حال معلوم ہوا تو بتوجہ خاص خدمت سابقہ پر مع جاگیر و مشاہرہ بحال رکھا گیا،

ہالی برٹن صاحب ارکاٹ مین آئے تو قاضی صاحب کی خدمت مین خود حاضر ہوے، قاضی صاحب نے پھر سفر

حج کے لئے رخصت کی خواہش ظاہر کی، لیکن اجازت نہین ملی، بہرام جنگ بہادر نے لکھا ہے کہ

"ایشان (ہالی برٹن صاحب) اصلا قبول نہ کردند و جواب دادند کہ لارڈ صاحب ہرگز صاحب

رانخواہند گذاشت، بودن صاحب درین شہر موجب برکت است"

لارڈ جارج مکارٹنی اور ہالی برٹن صاحب پوری تعظیم و تکریم سے خطوط لکھا کرتے تھے،

ارباب کمپنی نے ملک کو جب دوبارہ نواب والاجاہ بہادر کو تفویض کیا تو اس وقت قاضی صاحب انتقال

کر چکے تھے[1] اس وقت بہرام جنگ بہادر اور ان کے بھائی حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر دونون نوجوان

تھے، علاوہ برین دو چھوٹے فرزند اور بھی تھے، اس لئے نواب صاحب نے خدمت قضا پر دوسرے شخص کو

مامور کر دیا، لیکن جاگیر مشروطی خدمت بنام متعلقان بلا شرط خدمت جاری کر دی، اور دونون بڑے بھائیون

کو ارکاٹ اور دوسرے مقامات مین مناسب خدمات پر مقرر کیا،

اپنی عرضی اور یادداشتون مین اپنے والد کی ان خدمات و حالات کا ذکر کرنے کے بعد بہرام جنگ بہادر

نے اپنی خدمات کا بھی تذکرہ کیا ہے، چونکہ واقعات دلچسپ ہین، اس لئے اسی سلسلہ مین وہ بھی درج ذیل ہین،

بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ ارباب کمپنی کے حکم سے ملک سرکار پھر ضبطی مین آگیا تو وہ ارکاٹ

---

[1] بیان کیا جاتا ہو کہ مرض کی حالت مین خود نواب والاجاہ بہادر اپنے دونون فرزند نواب عمدۃ الامراء بہادر اور نواب امیر الامراء بہادر کے ساتھ عیادت کے لئے گئے، نواب صاحب نے قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ اب کیا خواہش ہے؟ قاضی صاحب نے آہستہ آہستہ کچھ کہا، دونون فرزندون نے نواب صاحب کی خدمت مین عرض کیا کہ قاضی صاحب اپنے بچون کو حضور کے سپرد کرتے ہین، یہ سنکر قاضی صاحب اٹھ کر بیٹھے اور "لا واللہ لا واللہ" کہنے لگے اور کہا مین اپنے بچون کو خدا کے سپرد کرتا ہون (بیان کردہ مولوی عبدالرحمن صاحب منتظم مدرسہ محمدی مدراس جو فی الحقیقت اپنے خاندان مین ضبط تحریر مین نہ آئی ہوئی تاریخی روایتون کے لئے مرجع اور سند ہین) ۱۲

سے مدراس چلے آئے، نواب والاجاہ بہادر نے سرداری فوج کے عہدہ پر مامور فرمایا، کچھ عرصہ کے بعد ملک پھر واپس ہوا تو بہرام جنگ بہادر کا مرتبہ روز بروز زیادہ ہوتا گیا، بخشی گری افواج، صدر الصدوری کرناٹک اور اور تیر سامانی کے مراتب پر سرفرازی ہوئی، داروغگی باغات شاہی اور داروغگی نیاز و پیشکش کے خاص خدمات بھی سپرد ہوے، جاگیر و خطابات سے بھی سربلندی حاصل ہوئی،

مارکویس کارنوالس نے سلطان شہید میسور سے مقابلہ کے بعد بوقت صلح بطور یرغمال سلطان شہید کے دو فرزند حاصل کئے، مدراس مین ان کے قیام کا بندوبست کیا گیا، مارکویس کارنوالس نے دونون صاحبزادون کی نواب والاجاہ بہادر سے ملاقات کرائی اور ظاہر کیا کہ فی الحقیقت ارباب کمپنی اور سلطان میسور مین مصالحت اور دوستی ہو چکی ہے، بنابرین نواب والاجاہ بہادر کے لیے بھی رفع کدورت مناسب ہے، ان دونون فرزندون کے حال پر شفقت بزرگانہ سے بالخصوص مہربانی کرنی چاہئے اور یہ کہ ان فرزندون پر جو بھی نظر عنایت ہوگی وہ خود مارکویس کارنوالس کی ذات کے لیے متصور ہوگی،

دونون فرزندون اور غلام علی خان بہادر اور علی رضا خان بہادر وکلاے سلطان کی خدمت مین مراسم دوستی کی تجدید کی غرض سے آمد و رفت کے لیے بہرام جنگ بہادر کو باطلاع مارکویس کارنوالس مامور کیا گیا اور ہدایا و تحایف، خلعت و جواہر کے رسل و رسائل سے روابط اتحاد کا سلسلہ شروع ہوا، بہرام جنگ بہادر کے ساتھ اکثر اوقات مسٹر ڈفٹن بھی شریک مجلس رہتے تھے،

نواب والاجاہ بہادر نے بہرام جنگ بہادر کی وساطت سے جو جو خاص پیغام بھیجے تھے وہ یہ ہین،

ا۔ فی الوقت انگریزون اور فرانسیسیون مین نفاق پیدا ہو گیا ہے، فرانس مین خانہ جنگی برپا ہے، فرانس کی خرابی کے لیے سات قومون نے کمر باندھی ہے، کچھ دن مین خبر آتی ہے کہ فرانس کا سارا ملک دشمنون کے تصرف مین آگیا، انگریزی لشکر آج کل مین مدراس سے پانڈی چری روانہ ہوتا ہے، پانڈی چری مین بلاشبہہ فوج موجود ہے، لیکن فساد خانگی کی وجہ سے سب فوج اسیر ہو رہے گی، غرض اس پیام سے یہ ہے

کہ معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان کا وکیل جو پانڈی چری مین رہتا ہے سلطان کی خدمت مین مدد طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہو رہا ہے، اسی قصد سے وہ روانہ میسور ہوا ہے، یقین ہے کہ سلطان سب نشیب و فراز پر غور کرینگے، اس وقت کسی قسم کی کمک عمل مین نہ آنی چاہئے، وکیل کو چند روز روک رکھا جائے، تحریر رسل و رسائل بھی موقوف رہے کہ موجب صلاحِ دولت ہے، بلاشبہ سلطان کو اہل فرانس سے رابطۂ قدیمی ہے، لیکن اب مقتضائے وقت اور ہے، برائے خدا اس پیام سے کوئی اور امر نہ خیال کر لیا جائے، صرف خیر خواہی منظور ہے،

۲۔ سابق مین فی مابین جو کدورت پیدا ہو گئی تھی وہ بہ فضل الٰہی اب بالکل دور ہو گئی، اگر دل مین ذرہ برابر بھی عناد ہو تو مسلمان نہین ٹیپو سلطان کی جانب سے بھی اسی طرح صفائی کلی کا یقین ہے،

۳۔ معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان نے اپنے وکلا مرہٹون کے پاس روانہ کئے ہین اور مرہٹون سے موافقت کا خیال پیدا ہوا ہے، پونہ مین جو مدبر انگریز ہین انھون نے اس واقعہ سے صاحبانِ حکومت کو مطلع کیا ہے، کہین ایسا نہ ہو کہ لارڈ کارنوالس کو کوئی شبہہ پیدا ہو جائے، کسی دوسرے کے اعتماد پر لارڈ کارنوالس کے معاہدہ کے خلاف کسی دوسرے پر ہرگز اعتماد نہ کیا جائے، اگر دوسرے اس کے خلاف کرین تو حرف ان پر آئے گا، معاہدۂ مذکور کو موجب قیامِ دولت خیال کرنا چاہئے،

۴۔ کل عید کا دن ہے، نور چشمون کو دیکھنے کے لیے دل بہت چاہتا ہے، اگر مرضیِ نور چشمان ہو تو ملاقات کے لیے سواری آئیگی،

اس طرح بسا مرتبہ صرف خیریت دریافت کرنے کے لئے بہرام جنگ بہادر کو روانہ کیا جاتا بعض وقت ارشاد ہوتا کہ استادون کو کہکر تدریس سے چھٹی دلائی جائے کہ بچون کو اس سے بہت خوشی ہوتی ہے،

بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ غلام علی خان بہادر اور علی رضا خان بہادر وکلاے سلطان نے چند مرتبہ سلطان کی جانب سے یہ پیغام نواب والا جاہ بہادر کو کہلایا کہ سلطان کی یہ کمال خواہش ہے کہ ان دونون

صاحبزادون کی نسبت نواب والاجاہ بہادر کی صاحبزادیون سے عمل مین آئے، دونون وکلانے اپنی طرف سے یہانتک بھی کہا کہ صاحبزادیان "بیگم ہاے معتبر" کے بطن سے بھی نہون تو بھی کوئی مضائقہ نہین، نواب والاجاہ بہادر نے جواب دیا کہ اپنے بوڑھاپے کی وجہ سے صاحبزادیون کی کمسنی کے باوجود ان کی نسبتین اہل قرابت مین پہلے ہی قرار پاچکی ہین، اور اب ان کی شادیان بھی یکے بعد دیگرے ہورہی ہین،

نواب والاجاہ بہادر کی مرضی تھی کہ ٹیپو سلطان کی صاحبزادی کی نسبت اپنے فرزند حسین نواز خان کے ساتھ قرار پائے، اس بارہ مین باہمی استمزاج بھی ہوا، لیکن آخرالامر نواب صاحب نے اس کو مناسب نہ جان کر خیال ترک کردیا،

ایک مرتبہ نواب والاجاہ بہادر نے بہرام جنگ بہادر کی وساطت سے ہردو وکلائے سلطان کو کہلا بھیجا کہ "چیزے مخفی" بالمشافہہ خلوت مین کہنا ہے، دونون صاحب ملکر مسجد دیکھنے آئین، جو مدراس مین جدید تعمیر ہوئی ہے، وہان اپنے لڑکے نواب عمدۃ الامرا کو روانہ کیا جائیگا، چنانچہ دونون وکلا مسجد دیکھنے کے بہانے سے آئے، نواب عمدۃ الامرا بہادر بھی وہان آئے اور ملاقات عمل مین آئی، جو گفتگو ہوئی اس سے بہرام جنگ بہادر اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہین،

سلطان شہید کے دونون فرزند مدراس سے روانہ ہوے، نواب والاجاہ بہادر نے خلعت وجواہر و ہاتھی بطور محبت وارتباط عنایت کئے، سلطان شہید نے اپنی شکرگذاری ظاہر کی اور غلام علی خان نے بہرام جنگ بہادر کو خط شکرگذاری روانہ کیا،

بہرام جنگ بہادر نے لکھا ہے کہ

"در نیاز مند مدت شش سال درحضور نواب والاجاہ بہ کمال دیانت وراستی ومحبت شبانہ روزے سرانجام خدمات مفوضہ خود نمودہ، ودیگر امورات سرکار یعنی سوال وجواب صاحبان حکومت ودیگر صاحبان انگریز کہ معرفت نواب عمدۃ الامراء بود، نواب والاجاہ درمیان خود ونواب عمدۃ الامرار

نیازمند را واسطِ سوال و جواب مذکورہ داشتہ بودند آن را نیز بخوبی و درستی تمام تقدیم رسانید از ابتدائے گورنری سرچارلس روکلی صاحب و جنرل منڈوس بہادر و ہنگام تشریف فرمائی مارکوئس کنوالس بہادر در استقرار قرار نامہ مارکوئس کنوالس بہادر و اوقات گورنری لارڈ ہوبرٹ بہادر بسا سوال و جواب متعلقہ اہل حکومت معرفت عمدۃ الامرا بوساطت خود نزد نواب والاجاہ بخیر و خوبی و صلاح طرفین بعمل آورد۔"

نواب والاجاہ بہادر کے انتقال کے بعد نواب عمدۃ الامرا بہادر کے عہد مین بھی بہرام جنگ بہادر کے اعزاز و مراتب حسب سابق باقی رہے اور خدمات مفوضہ بہ خیر خواہی و بہ درستی سرانجام پاتے رہے، نواب عمدۃ الامرا بہادر کو کمپنی کے قرضہ وغیرہ کی ادائی کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی تو بہرام جنگ بہادر کے ذریعہ اُن کے نام اور تمسک سے بعض انگریزون یا دوسرے ساہوکارون سے قرضہ حاصل کیا جاتا، چنانچہ نواب عمدۃ الامرا بہادر کے انتقال کے وقت بہرام جنگ بہادر کے ذمہ ۴۴ ہزار ہون قرضہ سرکاری باقی تھا اور اُن کے بھائی حافظ احمد خان عظیم یار جنگ کے ذمہ ۴۰ ہزار ہون[1]،

نواب عمدۃ الامرا بہادر مرض الموت سے فرش ہو گئے، بہرام جنگ بہادر شب و روز ڈیوڑھی پر حاضر رہتے، نواب صاحب نے اپنے انتقال سے پہلے نجیب خان بہادر اور تقی علی خان بہادر کو اپنے ۱۸ سالہ فرزند محمد علی حسین خان تاج الامرا بہادر کی نیابت اور اعانت پر مامور کیا تھا اور بہرام جنگ بہادر کو ہر وقت پاس رہ کر حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا،

صاحبانِ حکومت نے نواب تاج الامرا بہادر کو مسندِ حکومت سے محروم کر دیا اور نواب عظیم الدولہ بہادر کو وظیفہ یاب نواب کی حیثیت مین مسند نشین کیا، بہرام جنگ بہادر سوال و جواب کے آخر تک نواب تاج الامرا بہادر کے پاس رہے تا آنکہ کرنل میکنل نے انھین حکم بھیجا کہ "بخانہ خود برروند" اور اسی پر بہرام جنگ بہادر خانہ نشین ہو گئے،

[1] ایک ہون کے ڈھائی روپے ہوتے ہین

بہادر خانہ نشین ہوگئے،

بعد ازاں بہرام جنگ بہادر سے نواب عظیم الدولہ بہادر نے بارہا خواہش کی کہ وہ دربار میں حاضر ہوں، بالآخر ایک معتمد علیہ کے ذریعہ سے ان کے دربار میں باریابی ہوئی نواب صاحب نے ان کی مرہونہ جائداد چھوڑ دینے کا وعدہ کیا، ڈیڑھ ماہ تک بہرام جنگ بہادر نے نواب صاحب کے کاروبار انجام دئے، بہرام جنگ کے خلاف صاحبان حکومت کو شبہہ پیدا ہوگیا تھا، نواب صاحب کو بھی ان کے خلاف سمجھا دیا گیا، اس لئے پھر ان کو دربار میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا،

بہرام جنگ بہادر نے اپنی درخواست الفاظ ذیل پر ختم کی ہے :-

"بعد نظم و نسق صاحبان حکومت در کرناٹک جاگیرات اکثر مردم اجرا یافتند مگر جاگیر نیازمند کہ در چندین حقوق از سرکار یافتہ بود جاری نہ گردیدہ سہ صد و پنجاہ ہون در ماہہ بنام نیازمند مقرر شد چون معاملہ قرض مستر لتور کہ اصل مع سود ہیجدہ ہزار ہون شدہ باداے چار ہزار چہار صد ہون سالانہ فیصلہ یافت بہ لاچاری در دبست زر ماہوار مذکور بہ مومی الیہ رسانیدن مقرر نمودہ نیازمند با خاندان کثیر از فروختن ہمگی اسباب و سرانجام خانہ و اسپان سواری وغیرہ بہ کمال تکلیف شب را بروز و روز را بہ شب می رساند حالا مع خاندان خود از تصدیعات جان بلب رسیدہ، باظہار حالات خود پرداخت، از بزرگی و ترحم و انصاف عمیم کہ خاصہ قوم عظیم الشان انگریز است با ہزاران امیدخواہان انصاف و ترحم است، اگر از روے عدالت و انصاف و شرع با تجربہ کار صاحبان انگریز تقصیر بر نیازمند ثابت شود بسزاے آن حاضر است و در صورت بے تقصیری بہمہ وجوہ امید دارد کہ بزرگی و ترحم و انصاف این قوم باوفا نخواہد پسندید کہ باوجود چندین حقوق از جاگیر خود محروم ماند و در دست قرض خواہان سرکار گرفتار و از تکالیف اخراجات مع توابع کثیرہ ہلاک باشد، ترحم و انصاف ضرور۔"

اس کے بعد چار ماہ کے اندر اندر ان کا انتقال ہوگیا،

شیخ محمد تلمسانی کے دوسرے فرزند حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر اپنی مسجد کی وجہ سے مدراس مین آج بھی مشہور ہین، وہ اپنے عہد مین مدراس مین ریاضیات کے مسلم الثبوت ماہر تھے، ریاضی مین ان کی ضخیم فارسی تصانیف اس وقت بعض کتب خانون کی زینت ہین،

معارف:- حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر کی ایک کتاب ریاضیات مین فارسی زبان مین مرأة العالم کے نام سے جو ۱۲۶۲ھ کی لکھی ہوئی ہے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن مین موجود ہے، (فہرست کتب خانہ آصفیہ ص ۸۲۰)

طبقات الامم

اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کی جس مین انھون نے اپنے زمانہ تک کی تمام قومون کی عموماً اور مسلمانون کی خصوصاً علمی وادبی تصانیف اور علوم وفنون کی تاریخ عربی مین لکھی تھی، قاضی احمد میان اختر جوناگڈھی نے اس کو عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، اور جابجا حاشیون مین علماء اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہین،

ضخامت ۲۰۵ صفحے، قیمت عہ

دنیائے اسلام اور خلافت

موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام وبقا کے لئے دنیا کی مسلمان قومین کیا جدوجہد کر رہی ہین مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین،

قیمت ۶ر ضخامت ۵۰ صفحے،

"منیجر"

شیخ سعدی کا تخلص سعد کے نام پر ہے

(۲)

از مولوی محمد اعجاز حسن خانصاحب رئیس پٹنہ

شیخ کا نام مشرف الدین بعض نے شرف الدین بعض نے مصلح الدین لکھا ہے، شیخ نے صرف اپنا تخلص اپنے نام کے عوض لکھا ہے، کہین اپنا نام نہین لکھا، اہل کمال ہمیشہ اپنے لقب سے اور شعرا اپنے تخلص سے مشہور ہوتے ہین، عنصری، فردوسی، منوچہری، نظامی، انوری وغیرہ وغیرہ کا نام کوئی جانتا نہین، یہ سب اپنے تخلص سے شہرۂ آفاق ہوئے، اسی طرح شیخ بھی اپنے تخلص سے مشہور ہین، ان کے نسب کا حال کسی کتاب سے مجھکو نہین ملا اکثر اہل کمال باوجود عالی نسب ہونے کے اپنے نسب کو ہضماً للنفس بیان نہین کرتے نہ اس کا فخر کرتے، شیخ نے بھی کہین اس کا اظہار نہین کیا، مگر گمان غالب بلکہ یقین یہ ہے کہ عربی النسل تھے، ان کا ایک شعر عربی النسل ہونے پر دلالت کرتا ہے،

شاید کہ بپادشہ بگوئید ترک تو بریخت خون تاجیک

تاجیک اصل مین تازیک ہے جو عربی عجم مین آکر رہ گیا، اس کی اولاد کو اہل عجم تازیک کہتے تھے، اسی بنا پر شیخ نے آپ کو تاجیک کہا ہے،

ان کے خاندان کے لوگ عالم وفاضل تھے، فرماتے ہین،

ہمہ قبیلۂ من عالمان دین بودند مرا معلم عشق تو شاعری آموخت

ان کے والد بزرگوار ان پر نہایت مہربان تھے، ہمیشہ ان کو ساتھ رکھتے تھے، ایک بار یہ اپنے والد کے ساتھ

عید کے دن باہر نکلے، اس وقت یہ بہت بچہ تھے، اس حکایت کو بوستان مین یون بیان کیا ہے:۔

ہمی یاد دارم ز عہدِ صغر — کہ عیدے برون آمدم با پدر

بہ بازیچہ مشغول مردم شدم — وز آشوبِ خلق از پدر گم شدم

برآوردم از ہول و دہشت خروش — پدر ناگہانم بمالید گوش

کہ اے شوخ چشم آخرت چند بار — بگفتم کہ دستم ز دامن مدار

بہ تنہا نداند شدن طفل خرد — کہ مشکل توان راہ نادیدہ برد

تو ہم طفل راہی بسعی اے فقیر — برو دامنِ نیک مردان بگیر

ان کے والد بڑے مدبر آئینِ تربیت و اخلاق کے بڑے ماہر تھے، روک ٹوک کیساتھ ان کی طبیعت کی شگفتگی و دلچسپی کا بھی خیال رکھتے تھے کہ بشاشت تربیت کی روح ہے، استاد کو شاگرد کی طبیعت کا بھی خیال رکھنا ضرور ہوتا ہے، ان کے لیے لوح و دفتر خرید کئے تو ان کو ایک انگوٹھی سونے کی عنایت کی، اس زمانہ مین بھی یہ بہت کم سن تھے، فرماتے ہین:۔

ز عہدِ پدر یاد دارم ہمی — کہ باران رحمت برو ہر دمی

کہ در خردیم لوح و دفتر خرید — ز بہرم یکے خاتم زر خرید

بدر کرد ناگہ یکے مشتری — بخرمائے از دستم انگشتری

شیخ اپنے والد کی صحبت مین زہد و عبادت کی طرف بہت مائل تھے، اپنے والد کے ساتھ راتون کو اٹھکر عبادت کرتے، گلستان مین ہے:۔

"یاد دارم کہ در ایام طفولیت متعبد بودم و شب خیز و مولع زہد و پرہیز، تا شبے در خدمتِ پدر نشستہ بودم و ہمہ شب دیدہ برہم نزدہ و مصحف مجید در کنار گرفتہ وطائفہ گرد ما خفتہ" الخ (باب دوم)

بوستان مین فرماتے ہین:۔

بطفلی درم رغبت روزہ خواست ندانستمے چپ کدام ست و راست

مگر افسوس کہ شیخ کی کمسنی مین ان کے والد کا انتقال ہوگیا، اپنی یتیمی کا حال بوستان مین یون لکھتے ہین :-

من آنگہ سر تاجور داشتم کہ سر در کنار پدر داشتم،

اگر بر وجودم نشستے مگس پریشان شدے خاطر چند کس

کنون گر بزندان برندم اسیر نباشد کس از دوستانم نصیر

مرا باشد از درد طفلان خبر کہ در طفلی از سر برفتم پدر

گلستان کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آغاز جوانی تک شیراز مین رہے،

تو قتے بجہل جوانی بانگ بر مادر بیرزدم دل آزردہ بکنجے نشست و گریان ہمی گفت مگر ایام خردی فراموش کردی کہ درشتی می کنی، الخ (باب ششم)

قرین قیاس یہ ہے کہ یہ واقعہ شیراز سے باہر جانے کے پہلے کا ہوگا، ورنہ عقل قبول نہین کرتی کہ عالم اور صوفی ہوکر جب شیراز واپس آئے ہونگے تب ایسی گستاخی کی ہوگی،

شیراز علم و دانش مین ہمیشہ سے شہرۂ آفاق تھا، اس شہر کا لقب دار العلم تھا، ان کے خاندان مین سب عالم و فاضل تھے، باپ کمسنی ہی مین مرچکے تھے، ماں نے لاڈ پیار سے پالا ہوگا، ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہین پائی ہوگی پھر بغداد گئے ہونگے اس زمانہ مین بغداد ایسا تھا جیسا اس زمانہ مین لندن، پیرس یا برلن، بغداد پہنچکر مدرسہ نظامیہ مین داخل ہوئے، مدرسہ سے وظیفہ مقرر ہوا، چونکہ نہایت ذہین و طباع تھے، مزاج مین غیر معمولی جرأت و ہمت تھی، علم و تحقیق کا شوق فطری تھا، طالب العلمون سے بحث و تکرار خوب رہتی تھی، فرماتے ہین :-

مرا در نظامیہ ادرار بود شب و روز در بحث و تکرار بود

مر استاد را گفتم اے پر خرد فلان یار بر من حسد می برد

چون من داد معنی دہم در حدیث برآید بہم اندرون خبیث

بغداد وغیرہ عراق عرب و بلادِ شام و افریقہ مین زیادہ حصہ ایامِ جوانی کا بلکہ زندگانی کا صرف ہوا گلستان بوستان وغیرہ مین جو حکایتین خاص آپ بیتی لکھی ہین وہ اکثر اسی علاقہ کی ہین، دوسرے ملکون جیسے ہندوستان ترکستان وغیرہ کی بھی ہین مگر کم ہین، ممالکِ اسلامیہ عراق و بلادِ شام مین نہایت عزت کے ساتھ رہتے تھے باوجود عجمی (یعنی عجم مین پیدائش و بود و باش) ہونے کے ممالک عربیہ مین تبلیغ و وعظ کرتے اہلِ عرب گوشِ دل سے سنتے ملوکِ عرب ان کی خدمت مین حاضر ہوکر طالبِ دعا ہوتے یہ اُن کو نصیحت کرتے چونکہ سیاحی کا دائرہ بہت وسیع تھا، سیر و سیاحت مین مختلف حالتین اُن پر گذرتین، عہدِ صلیبی مین قیدِ فرنگ کی مصیبت جھیلی، کبھی پانون مین جوتے نہین تو ننگے پاؤن پھرے، کبھی معتکف ہوکر گوشہ نشین ہوے، کبھی قاضی کی مجلس مین علمی مباحثہ مین شریک ہوکر اپنے حسنِ تقریر سے دادِ فصاحت و بلاغت دی اور علماے مجلس پر غالب ہوے، کبھی ہندوستان مین آئے تو سومنات کے مندر مین رہے، کبھی صوفیون کے حلقہ مین رہے، مجلسِ سماع مین شریک رہے، ان کے زمانہ مین بڑے بڑے اکابرِ فن کے موجود تھے غالبًا سب سے ان سے ملاقاتین رہی ہونگی، مگر کسی کا نام نہین لکھا، اپنے اساتذہ مین سے صرف علامہ ابن جوزی کا نام لکھا ہے جن کا ذکر گلستان مین ہے، اپنے پیر کا بھی نام لکھا ہے فرماتے ہین

مرا پیرِ داناے مرشد شہاب دو اندرز فرمود بر روے آب
یکے آنکہ بر غیر بدبین مباش دگر آنکہ بر خویش خودبین مباش

ان دو بزرگون کے سوا اور کسی کا نام نہین لکھا ہے جس سے ان سے ملاقات ہونے کا یقین کیا جائے حضرت غوث الاعظم کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے، یہ بھی نہین معلوم ہوتا کہ کس ملک مین کتنی بار آمد و رفت کا اتفاق ہوا مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مدتِ دراز کے بعد شیخ نے گھر کی طرف رخ کیا جب گھر پہنچے ہین تو اس وقت ابوبکر بن سعد زنگی بادشاہ تھا، آپ نے یہ قطعہ کہا جس مین مجمل طور پر گویا تمام دنیا کی سیر کا مختصر ذکر کردیا ہے وہ قطعہ یہ ہے

وجودم بہ تنگ آمد از جورِ تنگی شدم در سفر روزگارے درنگی
جہان زیر پے چون سکندر بریدم چو یاجوج بگذشتم از سدِ سنگی

چو باز آمدم کشور آسودہ دیدم — ز گرگان بدر رفتہ آن تیز چنگی
خطا ماہرویان چو مشک تتاری — بزلف خوبان چو درع فرنگی
بنام ایزد آباد و پرناز و نعمت — پلنگان رہا کردہ خوے پلنگی
چون مردے چون ملک نیک محضر — برون لشکرے چون ہزبران جنگی
بگفتم کہ این کشور آسودہ کے شد — کسے گفت سعدی چہ شوریدہ رنگی
چنان بود در عہد اول کہ دیدی — جہانے پر آشوب و تشویش و تنگی
چنین شد در ایام سلطان عادل — اتابک ابوبکر بن سعد زنگی

یہ تو معلوم نہین ہو سکتا کہ ابوبکر بن سعد زنگی کے زمانہ مین کب شیخ شیراز پہنچے تھے، لیکن ان کے کلام اور اس زمانہ کے حالات پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغداد کی تباہی کے بعد بھی شیراز آئے ہین، بغداد کی تسخیر کے ارادہ سے ہلاکو خان اوائل محرم ۶۵۵ھ مین لاؤ لشکر کے ساتھ چلا ہے، یہ اس وقت کہان تھے اس کا پتہ نہین لگتا لیکن بوستان انھون نے ماہ ذیقعدہ ۶۵۵ھ مین تمام کی ابتدا مین شیراز آنے کا حال لکھا ہے، ابوبکر کی مدح بھی ہے اس لیے یقین کرنا پڑے گا کہ ۶۵۵ھ کے ماہ ذیقعدہ مین وہ اپنے شہر مین تھے، اس مین ایک شعر ابوبکر بن سعد کی تعریف مین ہے، جس سے پایا جاتا ہے کہ ہلاکو اور ابوبکر بن سعد مین اتفاق ہو گیا ہے، ابوبکر نے روپے اور تحائف بھیجکر اپنی فرمانبرداری کا اظہار کیا ہے، اس سبب سے ہلاکو نے ابوبکر بن سعد کے ممالک مقبوضہ کو ہاتھ نہین لگایا، یہ حالات تو کتب تاریخ سے معلوم ہوتے ہین، شیخ نے صرف اس شعر مین اشارہ کر دیا ہے، کہتے ہین، ؎

ترا سد یاجوج کفر از زر است — نہ رویین چو دیوار اسکندر است

مطلب یہ کہ سکندر نے لوہے کی دیوار بنا کر لوگون کو یاجوج سے بچایا تھا تو نے یاجوج کفر (یعنی چنگیزی کفار کے بادشاہ ہلاکو) سے بچایا ہے، فی الحقیقہ عام مسلمان امرا، علما، صلحا اور اشراف کے لیے مامن و ملجا صرف شیراز تھا، یا ہندوستان، مگر ہندوستان بہت دور تھا، عام مسلمان شیراز وغیرہ ممالک زیر حکومت ابوبکر بن سعد زنگی مین

پناہ لیتے تھے، شیخ نے اسی وجہ سے تعریف کی ہے، الغرض یہ ٹھیک پتہ نہین لگ سکتا کہ شیخ کس زمانہ مین کہان رہے، بوستان کے بعد گلستان ۶۵۶ھ مین لکھی، ان دونون کتابون کے تمام کرنے کے وقت وہ یقیناً شیراز مین تھے لیکن شیخ نے عربی مین قصیدہ بغداد کی تباہی پر لکھا ہے، اس سے یہ قیاس کرنا پڑتا ہے کہ بغداد کی تباہی یعنی تاتاریون کے حملہ کے وقت وہ بغداد مین یا اسی طرف کے کسی شہر یا قریہ مین رہے ہونگے، مرثیہ کے اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر خود اس کی بربادی دیکھ رہا ہے، اس وقت بغداد وغیرہ کی دردناک حالت کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ شیخ بوستان اور گلستان لکھتے وقت یعنی ۶۵۵ھ اور ۶۵۶ھ کے درمیان کب تک کہان رہے، بہرحال یہ یقین کرنا ضرور ہے کہ اپنی دونون مشہور و مقبول تصنیف کے وقت وہ اپنے وطن شیراز مین تھے، اور حملۂ تاتاری کے وقت وہ بغداد مین یا اس کے قرب وجوار مین تھے، اسکا ماننا تو ضرور ہے کہ سیر و سفر مین مدتین گذر جاتی تھین، تب یہ واپس گھر کے طرف رخ کرتے تھے، بوستان مین شاطر سپاہانی کی حکایت ہے، اس کے چند شعر لکھتا ہون، جس مین سے کچھ ان کے سفر و واپسی و امتداد زمانہ کا حال قیاس مین آسکتا ہے، وہ اشعار یہ ہین،

مرا در سپاہان یکے یار بود	کہ جنگ آور و شوخ و عیار بود
مدامش بخون دست و خنجر خضاب	بر آتش دل خصم ازو چون کباب
ندیدمش روزے کہ ترکش نہ بست	ز پولاد پیکانش آتش نہ جست
بدعوی کہ چون او ناوک انداختے	عدو را دو تن از یک انداختے
نہ مردی او را نہ در مردمی	دوم در جہان کس شنید آدمی
مرا یک دم از دست نگذاشتے	کہ بارہ است طبعان سرے داشتے
سفر ناگہم زان زمین در ربود	کہ بیشم دران بقعہ روزی نبود
قضا نقل کرد از عراقم بشام	خوش آمد دران خاک پاکم مقام

دگر پرشد از شام پیمانہ ام ۔ کشید آرزومندی خانہ ام

شبے سر فرو بردہ اندیشہ ام ۔ بدل برگذشت آن ہنر پیشہ ام

نمک ریش دیرینہ ام تازہ کرد ۔ کہ بودم نمک خوردہ از دست مرد

بدیدار وے در سپاہان شدم ۔ بمہرش طلبگار و خواہان شدم

جوان دیدم از گردش چرخ پیر ۔ خدنگش کمان ارغوانش زریر

چو کوہے سفیدش سر از برف موی ۔ روان آبش از برف پیری بروی

بدر کردہ گیتی غرور از سرش ۔ سر ناتوانی بزانو برش

بدو گفتم اے سرور شیر گیر ۔ چہ فرسودہ گشتی چو روباہ پیر

بخندید کز روز جنگ تتر ۔ بدر کردم آن جنگجوئی ز سر الخ

اس حکایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ اپنے بہادر جنگجو دوست کو پہلی ملاقات کے وقت جوان دیکھ چکے تھے جب اصفہان سے شام آئے تو استنے زمانۂ دراز کے بعد شام سے گھر کی طرف لوٹے اور رستہ مین اصفہان پہنچکر اپنے دوست سے ملاقات کی ہے کہ اس وقت ان کے دوست از کار رفتہ بڈھے پھوس ہو گئے تھے اور ان سے جنگِ تاتار کا حال بیان کیا، جس مین وہ خود شریک ہوے تھے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اس زمانہ مین بلادِ شام مین تھے، کہ وہان سے واپسی مین جنگ کے حالات ان کو اپنے دوست سے معلوم ہوے جو اس پر گذرے تھے،

ایک موقع پر وہ شیراز آئے ہین تو ایک قطعہ لکھا جس کے چند اشعار لکھے جاتے ہین، پورا قطعہ کلیات مین موجود ہے،

سعدی اینک بقدم رفت و بسر باز آمد ۔ مفتیِ ملتِ اربابِ نظر باز آمد

تو مپندار کہ آن شفتگی از سر بنہاد ۔ باز بیہوشی و مستی بخبر باز آمد

دل بیخویشتن و خاطر شور انگیزش | ہمچنان یاد گی و تن بحضر باز آمد
سالہا رفت مگر عقل و سکون آموزد | تا چہ آموخت کزان شیفتہ تر باز آمد
وہ کہ چون تشنہ دیدار عزیزان می بود | گوئیا آب حیاتش بجگر باز آمد
خاک شیراز ہمیشہ گل سیراب دہد | لاجرم بلبل خوشگوے وگر باز آمد
حالش از شام بشیراز بخسرو مانست | کہ باندیشۂ شیرین زشکر باز آمد
بو العجب بود کہ نفسے بمراد ے برسید | فلک خیرہ کش از جور مگر باز آمد

اخیر عمر مین برابر قیام شیراز مین رہا ہوگا، سلطان محمد خان شہید نے دو بار شیخ کی خدمت مین آدمی بھیجے کہ شیخ شیراز سے ہندوستان مین تشریف لاکر قیام فرمائین، مگر شیخ نے دونون بار ضعف پیری کا عذر کرکے آنے سے انکار کیا،

شیراز مین گھر بنایا تھا تو یہ قطعہ لکھا،

حقیقت است کہ دنیا سرا ے عاریت است | برا ے نشستن و برخاستن نفس ماید
من این مقام نہ از بہر آن بنا کردم | کہ پنج روزہ بقا اعتماد را شاید
بلے بنیت آن تا چو رخت بربندم | بجا ے من دگر ے ہمچنین بیاساید
وزین قدر نہ گریز ست مرغ و ماہی را | بقدر خویش حقیر آشیانہ شاید
سرا ے دام بلا یست نیک بختان را | بود کہ در ہمہ عمرت یکے بدام آید
بسا کسا کہ گرش در بروے بکشائی | سعادت ابدت در بروے بکشاید
حلال نیست کہ صورت کنند بر دیوار | کہ رد شرع بود زو خلل بیفزاید
خلاف عہد زمان بے خلاف معلوم است | کہ ہیچ چیز نہ بخشد کہ باز برباید
گر اہل معرفتی دل مبند بر دنیا | کہ دوستی ست کہ با دوستان نمی پاید

ہمین نصیحت سعدی بآب زر بنویس ۔۔۔ کہ خانہ راکس ازین خوب تر نیاراید

شادی ان کی رئیس حلب کی دختر سے ہوئی تھی جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، پھر اس کی مفارقت کے بعد دوسری شادی کی یا نہین، اس زمانہ مین بہت کم تجرد کا رواج تھا، پھر شادی ضرور کی ہوگی، بوستان مین ایک جگہ عورتون کا ذکر و مذمت کرکے فرماتے ہین،

تو ہم جور بینی و بارش کشی ۔۔۔ اگر یک زمان در کنارش کشی

یمن کے شہر صنعا مین لڑکا ان کا مرگیا تو ان کو اس کا ایسا غم ہوا کہ ہوش جاتا رہا، غایت اضطراب مین اسکی قبر کا پتھر اوکھیڑ ڈالا، اس سے یقین ہوتا ہے کہ رئیس حلب کی دختر کے سوا اور بھی بیوی کی ہوگی، پچاس برس کا زمانہ گذرا کہ موضع نگرنہسہ ضلع پٹنہ مین ایک ایرانی مع اپنی ایرانی بیوی کے آکر مقیم رہے، وہین انکا انتقال ہوگیا، وہ اپنے کو شیخ کی نسل سے کہتے تھے،

شیخ کی طبیعت مین جوش اور بے باکی کے ساتھ خود داری و پرہیزگاری اعلیٰ درجہ پر تھی، ایام جوانی کی بعض نقلین اپنی نہایت صفائی سے لکھی ہین، ان سے یہ خصائل حمیدہ صاف ظاہر ہوتے ہین، ایک حکایت اپنی اس طرح شروع کی ہے،

"در عنفوان جوانی چنانکہ افتد و دانی باشاہدے سرے وسرے داشتم بحکم آنکہ حلقے داشت طیب الادا وخلقے کالبدر اذا بدا . . . . اتفاقاً بخلاف طبع ازوے حرکتے نپسندیدم دامن ازو درکشیدم و مہرہ مہر برچیدم و گفتم ؎

بروہرچہ می بایدت پیش گیر ۔۔۔ سرِ ما نداری سرِ خویش گیر الخ (باب پنجم)

اگر شائبہ ہوا وہوس کا ہوتا تو اس کی ایک حرکت سے اتنا خفا نہ ہوتے کہ دوستی ترک کردیتے،

دوسری حکایت یہ ہے:-

"رفیقے داشتم کہ سالہا باہم سفر کردہ بودیم و نمک خوردہ وحقوق نعمت بیکران ثابت شدہ

آخر بسبب اندک نفع آزار خاطر من روا داشت و دوستی سپری شد و با این ہمہ از ہر دو طرف دلبستگی بود،، الخ

ان دونون حکایتون سے ظاہر ہے کہ دوستی کے پکے تھے، سچی محبت کیساتھ خود داری تھی، مگر دوسرون کا معاملہ ان کے ساتھ ایسا نہ تھا غالبًا یہی وجہ تھی کہ باوجود شہرت وعظمت کے کہ کسی شاعر کو نصیب نہین ہوئی اور شوقِ سفر وسیاحت کے کہ بہت کم سیاح شیخ کے برابر گذرے ہین، عام لوگون سے ملتے جلتے کم تھے، خود فرماتے ہین،

بگویند ازین حرف گیران ہزار | کہ سعدی نہ اہل ست و آمیزگار
روا باشد ار پوستینم درند | کہ طاقت ندارم کہ مغزم برند

شیخ نے اپنی عمر مین عجائب وغرائبِ عالم وانقلابِ روزگار بہت دیکھے، ان سب مین فتنہ چنگیز سب سے بڑا انقلاب تھا، اس نے ممالک اسلامیہ کو جو تمدن وعلم کے منبع ومرکز تھے سب کو تباہ وبرباد کر دیا، اس کی آگ نے تر وخشک سب جلا دیا، شیخ کا شہر شیراز بھی گردشِ آسمانی سے نہ بچ سکا، خاندانِ سلغریہ کی تباہی کے بعد تاتاری حکومت شیراز مین بھی ہوگئی، مگر شیخ کی عظمت چنگیزیون کے دل مین تھی، شیراز کے حاکم کو جو چنگیزی تھا ایک نصیحت نامہ لکھا ہے، جو شیخ کی کلیات مین موجود ہے، معلوم ہوتا ہے وہ خود شیخ سے نصیحت سننے کا خواہشمند تھا، شیخ نے اس کی ارادت وعقیدت دیکھکر اس کے نام سے قصیدہ لکھا ہے، اس کے چند اشعار یہ ہین،

جہان سالار عادل انکیانو | سپہدار عراق و ترک و دیلم
کہ روز بزم بر تختِ کیانی | فریدون ست و روز رزم رستم
چنین پند از پدر نشنیدہ باشی | الا گر ہوشیاری بشنو از عم
چو یزدانت مکرم کرد و مخصوص | چنان زی در میانِ خلقِ عالم

که گروتتے مقام بادشاہت نباشد ہم چنان باشی مسکرم

نہ ہرکس حق تواند گفت گستاخ سخن ملکیست سعدی را مسلم

چنگیز خان اور اسکی اولاد کی سلطنت مین یہ عجیب بات تھی کہ اس کی سلطنت مین علما وفضلائے اہل اسلام بڑے بڑے عہدون پر تھے، شمس الدین صاحب دیوان وزیر اعظم تھے، دار و مدار سلطنت کا ان پر تھا، ان کے چھوٹے بھائی علاؤ الدین عطا ملک بغداد وغیرہ عراق عرب کے گورنر تھے، ان دونون بھائیون کی بدولت اہل وعلم وہنر کی حالت درست ہوگئی، یہ دونون بڑے عالم وشاعر، ہنر دوست علم پرور، صاحب جود وکرم تھے، ان دونون بھائیون کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی، ایک بار شمس الدین صاحب دیوان نے شیخ کو خط لکھا اسمین پانچ سوال کئے، یہ پانچون سوال انکے جواب ذیل مین لکھے جاتے ہین، صاحب دیوان نے پانچ سو دینار اور ایک دستار بھی شیخ کو بھیجی تھی، صاحب دیوان کا ملازم جب چلا اور اصفہان پہنچا تو اس نے ڈیڑھ سو دینار لیکر کسی تاجر کے پاس رکھدیئے، شیراز پہنچکر شیخ کے حضور مین خط اور تین سو پچاس دینار رکھدیئے، شیخ کو خط کے مضمون سے حال معلوم ہوگیا، نوکر سے کہا کہ کل آؤ تو جواب دونگا، اب صاحب دیوان کے پانچون سوال لکھتا ہون،

سوال اوّل، دیو بہتر یا آدمی، **سوال دوم** مراد شمنے ہست کہ با من دوست نمی گردد، **سوال سوم،** حاجی بہتر یا غیر حاجی، **سوال چہارم** علوی فاضل تر یا عامی، **سوال پنجم،** آنکہ بدست دارندہ خط دستارے از برائے آن پدر می رسد و پانصد دینار از برائے علوفہ مرغان آن را قبول فرمایند

جواب از شیخ سعدی

شہر الف اوقات فرزند عزیز دام بقائہ، بوظائف طاعات وخیرات آراستہ باد،

ای کہ پرسیدیم از حال بنی آدم و دیو من جوابیت بگویم کہ دل از کف ببرد

دیو بگریزد ازان قوم کہ قرآن خوانند آدمی زادہ نگہ دار کہ قرآن ببرد

دوسرے سوال کا جواب

اولین باب تربیت پندست — دویمین توبہ خانہ و بندست

سیومین توبہ و پشیمانی ست — چارمین شرط و عہد و سوگندست

پنجمین گردنش بزن کہ خبیث — بقفاے بد آرزومندست

تیسرے سوال کا جواب

یا ذا العجب پیادہ حاج چون عرصہ شطرنج بسر می برد فرزین می شود یعنی بر از ان میشود کہ بود او پیادہ حاج بادیہ می پیماید و بتر از ان میشود کہ بود،

از من بگوی حاجی مردم گزاے را — کو پوستین خلق بآزار می درد

حاجی تو نیستی شترست از براے آنکہ — بے چارہ خار می خورد و بار می برد

چوتھے سوال کا جواب

بتمر خویش ندیدم بجز آنجنین علوی — کہ تمری آرد و کشتنی می یارد

برد ز حشر ہمی ترسم از رسول خدا — کہ از شفاعت ایشان بیاپر دارد

پانچوان جواب دستار زر کے بارہ مین،

خواجہ تشریفم فرستادی مال — مالت افزون باد و حشمت پایمال

ہر بدیناریت سالے عمر باد — تا بمانی سیصد و پنجاہ سال

جب یہ جوابات صاحب دیوان کو ملے تو انھون نے غلام کی تنبیہ کی کہ ایسا تو نے کیون کیا اس نے کہا کہ آپ حزوار حزا اور اشرفی شیخ کو بھیجتے تھے، وہ قبول نہین کرتے تھے، یہ اشرفیان تو علوفہ مرغان کے لئے تھین، مین نے اپنے کو مرغ کے مقابلہ مین سمجھکر ایک سو پچاس دینار لے لیے، صاحب دیوان نے اپنے بھائی کو بھیجا اور ایک چک خواجہ جلال الدین ختنی کے نام دس ہزار دینار کی حوالہ کی کہ ان سے اشرفیان لیکر شیخ کی خدمت مین پیش کرین اور معذرت کرین، حسب اتفاق ان کے شیراز پہنچنے کے چھ دن پہلے خواجہ جلال الدین

کا انتقال ہوگیا تھا، شیخ کو جب یہ حال معلوم ہوگیا تو چند شعر لکھکر بھیجدئے، جب صاحب دیوان کو یہ حال معلوم ہوا تو حکم دیا کہ پچاس ہزار دینار تھیلیوں میں رکھیں اور شیخ کی خدمت میں لے جائیں اور سپارش کریں کہ ان اشرفیوں سے شیراز میں اپنے درویشوں کے لیے ایک بقعہ بنائیں، شیخ نے بہت اصرار و قسم دینے پر یہ اشرفیاں قبول کیں اور اس سے رباط قلعہ فندر کے نیچے بنوائی،

علامہ مرزا قزوینی نے تاریخ جہان کشا سے جوینی کو نہایت محنت و جگرکاوی و دیدہ ریزی سے چند نسخوں سے مقابلہ کرکے نہایت صحت کیساتھ چھپوایا ہے، اس سے ان کی غزارت علمی و تبحر آثار تاریخی و استحضار شتات عرب و قواعد ادب ظاہر ہے، اور دیباچہ تاریخ جہانکشا کے مقدمہ میں ان واقعات سے انکار کیا ہے، اس کے ساتھ اس واقعہ سے بھی انکار کیا ہے کہ اباقا خان کے سامنے صاحب دیوان نے شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کی اور شیخ کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دیئے اور ان کے اصرار پر اباقا خان سے شیخ نے ملاقات کی اور شیخ نے اس کو نصیحت کی اور اشعار نصیحت آمیز پڑھے، علامہ موصوف کے الفاظ یہ ہیں :-

و بعقیدہ این ضعیف آثار وضع کلاً و بعضاً بر و بنات احوال این دو حکایت لائح است و در ہر صورت خالی از مبالغہ و اغراق نیست، و مخصوصاً پنجاہ ہزار دینار فرستادن صاحب دیوان برای سعدی و سرگرداں و شفاعت نمودن برای قبول آن و از اسب پیادہ شدن او و برادرش در حضور اباقا خان و سر در قدم شیخ مالیدن و بوسہ بر دست و پای دادن تا اندازہ منافات دارد با لہجہ سوال و تقاضای کہ غالباً سعدی در قصائد خود در مدح این دو برادر بکار می برد، مثلاً این بیت در خطاب علاؤ الدین،

تو کوہ بودی و من در میان ورطہ فقر مگر بشرط اعانت ادستم بگران ،

و این ابیات در خطاب بہمو (یعنی علاؤالدین صاحب دیوان)

علی الخصوص کہ سعدی بجال قرب تو یافت حقیقت است کہ ذکرش مع الزمان ماند

تو نیز غایت امکان ازو دریغ مدار | کہ آن نماند واین ذکر جاودان ماند

واین بیت درخطاب بشمس الدین جوینی،

یقینُ قلبیَ انی انال منک غنیً | ولا یزال یقینی من الھوان یقین

ونحو ذلک وہمچنین درخطاب باباقاخان بادشاہ مغول بت پرست گفتن کہ

وگرنہ راعی خلق ست زہرمارش باد | کہ ہرچہ می خورد او جزیۂ مسلمانیست

بغایت مستبعدست واللہ اعلم بحقیقۃ الحال"

علامۂ موصوف کے تعجب وانکار کی وجہ ان کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب شیخ خود طلب کرتے تھے (یعنی مدحیہ اشعار مین ان کے حسن طلب پایا جاتا ہے) تو ایسی حالت مین شیخ سے انکار و بار بار اصرار و قسم پر نذور کے قبول کی روایت غیر معقول ہے، مین کہتا ہون کہ حسنِ طلب توضرور پایا جاتا ہے مگر یہ حسنِ طلب معمولی شاعری پیشہ لوگون کی طرح نہین ہے، جنکا ذریعۂ معاش صرف شاعری و مدح سرائی اغنیا و ملوک ہے، بلکہ ان مین جو غیرت دار تھے وہ بادشاہ تک کی پروا نہین کرتے تھے، فردوسی کو ان کے دوستون نے کہا کہ وزیر سے ملا کرو تو انھون نے کہا

سوے در وزیر چرا ملتفت شوم | چون فارغم زبارگہ بادشاہ نیز

پھر ایسے شعرا جنکا شمار عرفاے کاملین مین ہے' ان سے ابتذال و دریوزہ گری کیونکر ممکن ہے لیکن بادشاہ امرا ان کی خدمت کو اپنی سعادت جانتے تھے اور اصرار کرکے اپنی نذر کو قبول کراتے تھے، یہ لوگ بھی جب شعر کہتے تو عام شعرا کی طرح ایک آدھ شعر یا دو چار اس قسم کی کہدیتے تھے، خواجہ نظامی عزلت نشینی مین مشہور ہین' خود فرماتے ہین،

ہمہ را بردرم فرستادی | من نمی خواستم تو می دادی

مگر مدحیہ اشعار اسی طرح کہتے ہین جس طرح عام شعراے وظیفہ خوار دنیادار کہتے تعریف مین آسمان

زمین کے قلابے ملاتے، اس کی سینکڑون مثالین کتبِ تاریخ مین موجود ہین، اس کے علاوہ یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ شیخ کے اور اشعار کیسے ہین، ان کا طرزِ عمل کیا تھا، ان کو تو اغنیا و ملوک کی صحبت سے سخت نفرت تھی، ان کا بادشاہ ابوبکر جس کی مدح دونون کتابون مین موجود ہے، اور فی الحقیقہ اس وقت کے بادشاہون مین بہت اچھا تھا، اسکے ہان بھی شیخ بہت کم جاتے تھے الغرض شیخ کے اشعارِ حسن طلب کو صرف اوپری دل سے حسب دستور شعرا یقین کرنا چاہیئے، ان کے قصائد کو بغور پڑھا جائے تو میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، علاء الدین جوینی صاحب دیوان کے شان مین جو قصیدہ ہے اس مین فرماتے ہین ؎

اگر نہ بندہ نوازی ازان طرف بودے من این شکر نفرستادمے بخوزستان

پھر دوسرے بھائی شمس الدین صاحب دیوان وزیر اعظم کے شان مین فرماتے ہین،

اگر نہ بندہ نوازی ازان طرف بودے کہ زہر داشت کہ دیبا برد بقسطنطین

ان شعرون سے ظاہر ہے کہ ابتدا اخلاق و تواضع کی صاحب دیوان کے طرف سے ہوئی تھی اور یہ دستور اسلاف کا تھا اور راقم السطور کے عنفوانِ شباب کے زمانہ تک گاہ گاہ اس کی مثال مل جاتی تھی کہ جب کوئی اہل علم مین سے درجۂ امارت سلطنت پر پہنچ جاتا تھا، تو چاہتا تھا کہ اور علما و فضلا مین سے جو گردشِ روزگار سے مجبور ہین ان کی خدمت کیجائے اور اگر وہ قبول کرین تو سلطنت کے طرف سے ان کے لائق عہدہ دیا جائے جس سے علم کی شان بڑھے، اور سلطنت کے کام بھی نکلین، خصوصاً جو عزلت نشین ہین، وہ مطلق توجہ دنیا کے امور کے طرف نہین کرتے اور کسی سے کچھ لینا بھی عار سمجھتے، ان کی خدمت مین یہ امرا حاضر ہو کر دست بستہ عرض کرتے اور بہت الحاح و اصرار پر نذر قبول کراتے، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگون کا نام نیک البتہ زندہ ہے، میرا مدعا اس تحریر سے یہ ہے کہ یہی حال دونون صاحب دیوان کا تھا، یہ دونون اپنے وقت کے برمکی تھے جس طرح برامکہ کی فیاضی، علم دوستی، اور جود و کرم مشہور تھا اسیطرح ان دونون کی خوبیان اس زمانہ مین مشہور تھین، الغرض ان دونون بھائیون کی قدر شناسی و عقیدت جو شیخ کے ساتھ تھی اس نے شیخ کو مجبور کیا تھا، ورنہ شیخ کو

کسی کی پروا نہین تھی، علاؤالدین صاحب دیوان کے شان مین جو قصیدہ ہے اس کے دو تین شعر لکھتا ہون جن سے شیخ کی طبیعت کا اندازہ ملے گا، فرماتے ہین،

بخاک پاے تو گفتم ہمین نخیر نگفتم — کزان زمان کہ بدانستم از یسار یمین را

براے حاجت دنیا طمع بخلق نبردم — کہ تنگ چشم تحمل کند عذاب ہمین را

تو قدر فضل شناسی کہ اہل فضل و دانش — شبہ فروش چہ داند بہاے در ثمین را

پچاس[۵] ہزار اشرفیان بھیجنے کی روایت یقیناً صحیح معلوم ہوتی ہے، اس روایت کو وضعی و جعلی سمجھنے کے دو سبب ہو سکتے ہین، ایک تو یہ کہ صاحب دیوان شمس الدین جوینی کو اتنا مقدور نہ ہو کہ وہ یہ زر خطیر شیخ کے پاس بھیج سکتے، یا صاحب دیوان کو بخل اتنا ہو کہ کسی کو کچھ نہ دیتے ہون، مگر یہ دونون گمان غلط ہے، یہ دونون بھائی سلاطین مغول کے وزیر و مشیر تھے، مغلون کے برابر کوئی سلطنت ثروت و شوکت و دولت مین نہین تھی، جاگیر و انعام و عہدہ کی بدولت یہ دونون بھی بڑے امیر و دولتمند تھے، اس کے ساتھ بڑے عالم و فاضل و شاعر تھے، ان کا دستور تھا کہ جب کوئی عالم کتاب تصنیف کر کے پیش کرتا تو ایک ہزار اشرفی انعام دیا جاتا، بہت علما ان نے کتابین لکھین، انعام ایک ہزار فی کتاب پایا، علاؤالدین عطا ملک جوینی نے ایک نہر نجف اشرف تک نکالی جس کا سبزہ اشجار تھا، اس نہر کے کنارے ایک سو پچاس دیہات آباد کئے، غرض ان دونون بھائیون کی فیاضیان خوبیان اتنی ہین کہ یہ دونون اپنے وقت کے برامکہ تھے، ملک الحکما علامہ نصیر الدین طوسی نے بھی کتاب انکے نام کے ساتھ معنون کی تھی، یہ دونون اسلام و اہل اسلام علی الخصوص اہل علم و ہنر کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھے، شیخ نے اپنے قصائد مین جو مدح کی ہے وہ مبالغہ شاعرانہ نہین ہے، یہی وجہ ہے کہ ان دونون کے شان مین جو قصائد ہین وہ بہتر قصائد ہین، اس لیے اشرفیان بھیجنے کی روایت غلط نہین ہو سکتی، ہان اس کی تردید ممکن تھی کہ قلعہ فہندر کے پاس جو رباط بنانے کی حکایت علی بن احمد جامع کلیات شیخ نے لکھی ہے، اس کا وجود نہ ہوتا مگر اس کے وجود کا علامہ میرزا محمد قزوینی نے انکار نہین کیا، نہ کسی اور مصنف نے انکار کیا ہے، اس لیے یقین کرنا چاہیے کہ صاحب

دیوان نے پچاس ہزار اشرفیان بھیجین، اور شیخ نے قبول کین، اور عمارت (رباط) بنوائی ورنہ شیخ کے پاس اتنا مال کہان سے آتا، نہ جاگیردار تھے، نہ منصب دار جس کی وجہ سے وہ بنواتے، عمارت کے وجود کی توثیق علامہ محمد بن بطوطہ مغربی کے سفرنامہ سے بھی ہوتی ہے، وہ اپنے سفرنامہ مین لکھتے ہین،

ومن المشاهد بخارج شیراز قبر الشیخ
الصالح المعروف بالسعدی وکان
اشعر اهل زمانہ باللسان الفارسی
وربما المع فی کلامہ بالعربی و
لہ زاویۃ کان قد عمرها بذلک
الموضع حسنۃ بداخلها بستان
ملیح وهی بقرب راس النهر الکبیر
المعروف برکن اباد وقد صنع الشیخ
هنالک احواضا صغارا من المرمر
لغسل الثیاب فیخرج الناس من
المدینۃ لزیارتہ ویاکلون من
سماطہ ویغسلون ثیابهم بذلک
النهر وینصرفون وکذلک فعلت
عندہ رحمہ اللہ صفحہ ۱۲۹

رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر

شیراز سے باہر مزارون مین شیخ سعدی کی تربت
وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے شاعر زبان
فارسی کے تھے، اور کبھی اپنے فارسی کلام مین عربی
اشعار بھی ملا دیتے تھے، ان کی خانقاہ جسکو
انھون نے بنایا ہے بہت خوبصورت ہے، اس کے
اندر خوش نما باغ ہے، یہ خانقاہ نہر رکن آباد
کے قریب ہے، شیخ نے وہان پر سنگ مرمر کے
چھوٹے چھوٹے حوض کپڑے دھونے کو بنائے
ہین، لوگ شہر سے ان کی زیارت کو جاتے ہین
اور ان کے دسترخوان سے کھانا کھاتے ہین،
اور نہر سے کپڑے دھوتے ہین، اور لوٹ
آتے ہین، اسی طرح مین نے بھی کیا، خدا ان
پر رحمت کرے،

محمد بن بطوطہ شیخ کے انتقال کے چھتیس سال بعد شیراز پہنچے تھے، انھون نے شیراز کی بہت تعریف کی ہے، اس

سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقہ شیخ سعدی نے جو شیراز کی تعریف کی ہے وہ بالکل صحیح ہے، مبالغہ شاعرانہ نہین ہے، نہر رکن آباد کی تعریف خواجہ حافظ کے پہلے شیخ سعدی نے کی تھی؛ ابن بطوطہ اس کے بارے مین لکھتے ہین،

احدھا النھر المعروف برکن اباد وھو	ایک نہر رکن آباد کے نام سے مشہور ہے اسکا
عذب الماء شدید البرودۃ فی	پانی میٹھا ہے، گرمی مین بہت ٹھنڈا اور
الصیف سخن فی الشتاء صفحہ ۱۲۱	جاڑون مین گرم رہتا ہے،

اس سے بڑھکر پانی کی کیا تعریف ہوسکتی ہے،

اب رہا یہ کہ صاحب دیوان نے شیخ کی تعظیم معمول سے زیادہ کی اور بادشاہ اباقاخان کے سامنے کی اس پر بھی شک کرنے کی کوئی وجہ نہین، کیونکہ مغول بادشاہ باوجود بے دین و بت پرست ہونے کے اکابر اہل اسلام کی تعظیم و تکریم کرتے تھے، ہر شخص مذہب مین آزاد تھا، ابتدا مین عام مسلمانون کی بھی بڑی قدر کرتے تھے، چنگیز خان کے قانون مین مسلمانون کا قصاص (دیت) چالیس بالشت اور ختائیون کا ایک درازگوش تھا، اسی سے قیاس کرلینا چاہئے کہ کرورون مسلمانون کو غرقاب فنا کرنے کے بعد بھی اتنی عزت مسلمانون کی چنگیزیون کی نظر مین تھی، سیکڑون اہل علم و فن ان کی سرکار مین اعلیٰ مناصب پر فائز تھے، ان مین علاؤ الدین عطا ملک صاحب دیوان والی بغداد و عراق عرب تھے، انھون نے بغداد کی ایسی رونق بڑھائی جو متاخرین خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین بھی نہین تھی، انھون نے اپنی تاریخ جہانکشا مین چنگیز خان کا حال لکھا ہے، اسمین لکھتے ہین:۔

"دران وقت کہ اوائل حالت او بود و قبائل مغول بدو منضم شد رسوم ذمیمہ کہ معہود آن طوائف بود سنت در میان ایشان متعارف رفع کرد، و انچہ از راہ عقل محمود باشد از عادات پسندیدہ وضع نہاد دراز ان احکام بسیار آنست کہ موافق شریعت است" صہ ۲۱۸،

سلاطین مغول کے حالات مین لکھتے ہین:۔

"و با تقلد مذاہب (یعنی اسلام و بت پرستی و نصرانیت و آبائی مذہب) بیشتر از اظہار تعصب دور باشند و ازانچہ

یا ساے چنگیز خان ست کہ ہمہ طوائف را یکے شناسند و بر یکدگر فرق ننہند عدول نجویند" صفحہ ۱۸ و ۱۹

اوکتا ئی خان قاآن جو چنگیز خان کا بیٹا اور اس کے بعد تخت پر بیٹھا اور بڑا بادشاہ ہوا' اسکے حال مین لکھتے ہین:

"و بامید رافت و رحمت او ہر سرے دل بر جان نہاد و آنچہ از بقایاے شمشیر باقی ماندہ بودند در ربقۂ حیات و

نہاد و امان بماندالویہ دین محمدی تا اقصاے دیار کفر و بلاد شرک کہ بوے اسلام بدماغ ایشان نرسیدہ بود

انداختند و در محاذات معابداوثان مشاہد رحمٰن ساختند" صفحہ ۱۵۹ جلد اول،

اسی بادشاہ کو کسی شہزادہ نے چند چیزین تحفہ کے طور پر بھیجی تھین' ان مین ایک لعل بھی تھا جو اس کو اپنے

آبا و اجداد سے پہنچا تھا' اس لعل کے متعلق کتاب مذکور مین لکھتے ہین:-

"نقش محمدؐ رسول اللہ بالا نوشتہ و نام پدران او بہ ترتیب در نشیب آن مہر کردہ کا کان را فرمود تا نام محمدؐ

برقرار از جہت تبرک و تیمن بگزاشتند و نام سلاطین حک کردند و نام قاآن در آخر نام پیغامبر علیہ الصلوٰۃ

والسلام نقر کردند و نام مرسل آن" (صفحہ ۱۶۵)

ان سب روایتون سے جو نہایت موثق ہین ظاہر ہوتا ہے کہ چنگیزی سارے ممالک اسلامیہ کو ویران کرنے

کے بعد رفتہ رفتہ اسلام کی طرف رغبت کرنے لگے' اور اسلام اور بانی اسلام کی عظمت ان لوگون کے دلون مین پہلے

سے جاگزین تھی' تو خیال کرنا چاہئے کہ جب چنگیز خان کے بیٹے اوکتا ئی قاآن کا یہ حال تھا تو پھر اباقا خان جو چنگیز

خان کا پڑوتا تھا' اس کے وقت مین بہت سی خوبیان اسلام کی مغولون مین پھیل گئی ہون گی، اور رجحان اسلام

کی طرف روزافزون چنگیز خان ہی کے وقت سے شروع ہو گیا تھا' یہان تک کہ بعض لوگون نے چنگیز خان کے ایک

بیٹے کو مسلمان لکھا ہے' تو اگر شیخ سعدی نے اباقا خان کو مسلمان بادشاہون کی طرح مخاطب کیا تو کونسی تعجب کی بات

ہے' درحقیقت اس وقت کے مسلمانون کا بڑا کارنامہ ہے کہ جس قوم نے کروڑون مسلمانون اور سینکڑون

اسلامی شہرون کو غارت کیا' اسی قوم کو مسلمانون نے اپنی حکمت عملی اور اثر سے مسلمان بنا لیا،

قدیم ہندوستان اور شرابخوری

از

جناب سید فرید جعفری مچھلی شہری،

قدیم ہندوستان کی تاریخ پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے، کہ یہ تحقیقی طور پر نہین کہا جا سکتا، کہ شراب خواری ہندوستان مین کب سے جاری ہوئی، جسقدر زمانہ ترقی کرتا جاتا ہی تحقیق کیلیئے آسانیان بہم ہوتی جاتی ہین، پردہ اٹھتا جاتا ہی، اور قدیم تحریرات کے ذریعہ سے بہت کچھ روشنی اس مسئلہ پر پڑتی جاتی ہی، کالیداس جو ۵۰۰ء کا سب سے بڑا سنسکرت کا شاعر تھا، وہ اپنے کلام مین بجا بجا دستون کو آپس مین شراب تقسیم کرنے کا ذکر کرتا ہے، مسٹر دت ایک جگہ لکھتے ہین، کہ ہمین "شکنتلا" سے معلوم ہوتا ہے، کہ بھٹی خانے اوس وقت موجود تھے، اور اس مین نیچی ذات کے لوگ کثرت سے جاتے تھے، اور اوسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ جماعت کے لوگ بھی شراب سے ناآشنا نہ تھے، "بھراتی" (جس کا زمانہ ۵۵۰ء ہی) نے شراب کی لطافت پر ایک قصیدہ لکھا ہی، اور کالیداس نے اکثر جگہ بعض حالات کے ضمن مین یہ بھی لکھا ہے، کہ عورتون کے منہ سے شراب کی بو آتی تھی، اور "رگھونسا" مین آجا کے دلدوز نالون کے سلسلے مین اوس کی معشوقہ کی شراب نوشی کی کیفیت بھی کھینچی ہے،

"مارکنڈے یا چاندنی مین درگا دیوی اسور سے کہتی ہے" اے احمق ذرا ٹھہر! مین اپنی شراب توختم کرلون"

تانترا زمین جن کو تقریباً وید کا درجہ دیا جاتا ہے، اور جو الہامی کتاب سمجھی جاتی ہے، حسب ذیل عبارت ہے،

"مہادیو دیوتا نے اپنی بیوی پربتی کو اپنا راز دار بنا کر یہ کہا کہ اے میری پیاری! برہمن کی نجات شراب پینے پر ہے اے دیوی بلا شراب پیئے تو مذہب کو نہین سمجھ سکتی، اسلئے ایک برہمن کو شراب پینا چاہیئے" شراب خواری صرف آریہ قوم

کی خصوصیت نہ تھی، بلکہ اناریون مین بھی اوس کا اثر بہت کچھ پہنچ گیا تھا، اور وہ فی الواقع شرابی ہوگئے تھے، اور چونکہ ان مین تعلیم و تربیت کی کمی تھی، اور اون کی سوسائٹی ادنیٰ درجہ کی تھی اس لئے اون مین جب شراب خواری جاری ہوئی، تو اوس کا ترک کرنا ان کے لئے "امر محال" ٹھہرا، اور یہی وجہ ہے کہ آج تک اون مین شراب کے استعمال کی کثرت ہے، اپنی نجات کے لئے اُن کا نعرۂ مستانہ یہی ہے، "پیو! خوب پیو! خوب پیو! یہان تک پیو کہ زمین پر گر جاؤ اور اٹھو اور پھر پیو کیونکہ تم دوبارہ پیدا نہ ہوگے"؛

نومبر ۱۹۲۲ء مین مسٹر بھٹشام نے آیا گھر مین ایک لکچر عورتون کے متعلق دیا تھا، اونھون نے اس موقع پر ثابت کیا تھا، کہ "شراب خواری اور جہالت دراصل ہندو تمدن اور نیز قدیم تمدن کی خرابیون کا نتیجہ ہے" اونھون نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا، کہ "عورتون کی حقوق تلفی کی ذمہ دار شراب ہی ہے" اونھون نے کہا کہ "عورتون کے حقوق اس طرح ضائع ہوئے، کہ پوجا ؤن اور قربانیون کے وقت سوم اور سورا شراب پی جاتی تھی، عورتین اون کو نہین پی سکتی تھین، لہذا مذہبی مراسم وہ نہ ادا کرسکین، اسلئے مرد ادا کرنے لگے، رفتہ رفتہ اسی طرح اور مذہبی مراسم بھی مرد ہی ادا کرنے لگے، اور اس طرح عورتین چونکہ مذہبی فرائض کی ادائی کے قابل نہ ٹھہرین، لہذا وہ جائداد وغیرہ مین وراثت کے قابل بھی نہ ٹھہرائی گئین، اور اس طرح ان کے حقوق زائل ہوگئے،

الفنسٹن لکھتا ہے کہ "اٹھارہوین صدی مین مرہٹہ سلطنت کے وقت گو عام لوگ زیادہ شراب خوار نہین تھے، اور گو آخری پیشواؤن کے وقت شراب خواری کی ممانعت پر خاص طور سے عملدرآمد رہا ہے لیکن پھر بھی مرہٹون مین بہت سی ممتاز شخصیتین شراب خواری سے بری نہ تھین، مثلاً چندر راؤ مور جو سیواجی کا رقیب تھا، وہ اپنی جوانی کے دنون مین شراب کا بڑا شایق تھا، خود سیواجی کو تخت نشینی کے وقت شراب مین تولا گیا تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ سنبھاجی یعنی سیواجی کے لڑکے کی شکست کا راز شراب خواری ہی تھی،

بالاجی باجی راو ملقب بہ نانا صاحب پر بھی یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت شراب مین مست رہتے تھے لیکن ساہو اسکی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اوسکو شراب سے نفرت تھی، مگر اس کے یہ معنی نہین ہین کہ شراب سے نفرت کرنے والے

لوگ موجود نہین تھے، برہمند رسوامی جی نے جو باجی راؤ اوّل کے گرو تھے جلجیون پوار کو جو اوس وقت کا ایک بڑا مرہٹہ رئیس تھا شراب خواری پر سخت تنبیہ کی تھی، نیز اس وجہ سے کہ اوس نے شراب کے نشہ مین اپنی ماں کی تذلیل کی، راگھوجی بھونسلے جو کافی مشہور ہے، اوس کا حملہ جب فرخ مقبوضات تک پہنچا، اوس وقت اُسے چند بوتلین شراب کی پیش کی گئین جن کو اوسکی بیوی نے اس قدر پسند کیا کہ کثیر مقدار مین طلب کیا، اور اسطرح فرخ سے اوسکی مخالفت دور ہوگئی اور آسان شرائط صلح قرار پاگئی جس کا الزام سا ہو اُسے ہمیشہ دیتا رہا،

غرض مندرجۂ بالا سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شراب خواری ہندو سلطنت کے وقت ہندوستان مین اچھی طرح جاری تھی،

روزنامہ مدینہ بجنور

انشاء اللہ یکم جنوری ۱۹۳۳ء سے جاری ہو جائیگا،

یکم جنوری ۱۹۳۳ء کو روزنامہ مدینہ اون تمام خصوصیات کے ساتھ شایع ہو جائیگا جن کے باعث سہ روزہ مدینہ کو ہمہ گیر قبولیت اور عالمگیر محبوبیت حاصل ہوئی ہے، ملک کے اخبار نویس اور اخبار بین طبقہ نے اس کے اجراء کا جس خلوص و محبت اور شوق و شیفتگی کے ساتھ خیر مقدم کیا ہے وہ اس امر کی دلیل ہے کہ مدینہ کے کارکنون پر ملک و ملت کو کامل طور پر اعتماد ہے، جو حضرات اس امر کے آرزومند ہین کہ تازہ ترین خبرین، بہترین مضامین اور نہایت شگفتہ طرزِ تحریر کا مطالعہ فرمائین اور ایک ایسے اخبار کے ذریعہ اپنی اخباری ضروریات پوری کرین جسکی پالیسی ملک و ملت کے درد مین ڈوبی ہوئی ہو جو ایک طرف ملت کے حقیقی حقوق کا پاسبان اور ترجمان ہو اور دوسری طرف ملک کی آزادی کا بیباک علمبردار ہو تو وہ روزنامہ مدینہ کی خریداری کے ارادے سے دفتر روزنامہ مدینہ بجنور کو مطلع فرمادین یا کم از کم نمونہ کا پرچہ طلب فرما کر اپنے طور پر انتخاب کرنے کی زحمت گوارا کرین اخبارات کے ایجنٹون کے لئے روزنامہ مدینہ کی فروخت بہترین ذریعہ منفعت ہے اور اشتہاری کاروبار کرنے والے تاجرون کے لئے یہ بہترین وسیلہ اشتہار، یکم جنوری کا پرچہ بہت زیادہ تعداد مین شایع ہوگا اور اسمین اشتہار دینا نہایت مفید ہوگا نرخنامہ اجرت اشتہار دفتر سے طلب فرمائی، قیمت سالانہ ۱۵ روپے ششماہی ۸ روپے سہ ماہی للعہ ماہانہ ۱۲ (ممالک غیر سالانہ ۲۰)

المشتہر: منیجر روزنامہ مدینہ بجنور (یوپی)

تلخیص و تبصرہ

فرانسیسی شاعری پر اندلس عربی ادب کے اثرات

مجلہ اپولو مصر مین جو جدید عربی شاعری کی ترجمانی کے لئے نکلا ہے، فرانسیسی شاعر الفرید دی موسیہ کے کلام کا عربی منظوم ترجمہ شائع ہوا ہے، اسی سلسلہ مین اس کے سوانح حیات، اور پھر اسی تقریب سے فرانسیسی شاعری کی مختصر سرگذشت بیان کی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرانسیسی شاعری پر عربی علم ادب اور شاعری کے کیا اثرات پڑے ہیں، اس لیے فرانسیسی شاعری کی اس مختصر سرگذشت کی تلخیص ذیل مین پیش کیجاتی ہے،

اندلس پر عربی اثرات سے پہلے فرانسیسی شاعری مغرب کی اور قومون کی شاعری کی طرح بالکل بے آب و رنگ اور صرف لاطینی قصون تک محدود تھی جنکو چند پادری اپنے گرجون مین یاد کرلیتے تھے، جیسے فرجیل کے اشعار کہ یہ لوگ ان کو گاتے تو تھے، لیکن اُن کے معانی نہین سمجھتے تھے، قافیہ مین کوئی پابندی نہ تھی، صرف اخیر کے حروف مین اتحاد ہونا ضروری تھا، مثلاً FEYME اور PARTE لیکن جب فرانسیسیون کو اہل عرب کی ہمسائگی کا شرف حاصل ہوا تو ان لوگون نے اہل عرب کے اشعار سنے اور انکی تقلید کی، اب عربی شاعری کے تمام انواع مثلاً غزل، نسیب، مدح، ہجو، موسیقی، اور رزمیہ وغیرہ بھی اُن کی شاعری مین آگئے، اور اب قافیون مین اخیر حروف کے اتحاد کے ساتھ اُس کے پہلے کے ساکن حروف کا اتحاد بھی ضروری ہوگیا،

مثلاً AIME اور FERME،

فرانسیسی ادب مین نظم کو نثر پر تقدم حاصل ہے، اور سب سے قدیم فرانسیسی نظم (اغانی رولان)

ہے، جس کو ایک گمنام شخص نے گیارہوین صدی کے آخر مین نظم کیا تھا، رولان شارلمان کی اُس فوج کا کمانڈر تھا جس نے اندلسیون سے جنگ کی تھی، اور شارلمان وہی بادشاہ ہے جس کی کوشش سے ہارون الرشید نے عیسائی حاجیون کو بیت المقدس کی زیارت کی اجازت عطا فرمائی تھی، حالانکہ اس سے پہلے اُن کو اس کی اجازت نہ تھی، چونکہ فرانسیسیون کے نزدیک یہ اس بادشاہ کا سب سے بڑا کارنامہ تھا، اس لئے شعراء وادبائنے اس کی شان مین قصائد اور قصے لکھے،

ان نظمون مین یہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر رولان کا قاصد خیانت وغداری نہ کرتا تو مسلمان رولان کو مغلوب نہ کر سکتے، چند اور نظمین بھی اسی قسم کی تھین، مثلاً شارلمان کی زیارتِ بیت المقدس وغیرہ جو بارہوین صدی کی فرنچ زبان مین ترجمہ کیگئین،

سب سے پہلے اہل عرب سے جنوبی فرانس کے لوگون نے علوم سیکھے، کیونکہ سب سے پہلے اہلِ عرب نے انھی کے ملک کو فتح کیا، انھی کے ملک مین اقامت گزین ہوئے، انھی سے میل جول پیدا کیا، ان کی لڑکیون سے شادیان کین، ان کی زمینون مین کاشت کی، اُن کے شہر تعمیر کئے، اور بڑے بڑے محلون مثلاً قنطرہ، زہراء اور قصر حمراء کی تعمیر مین فرنچ قیدیون سے کام لیا، اس لیے اس اختلاط سے لازمی طور پر ایک کے زبان اور افکار وخیالات کا اثر دوسرے پر پڑا، لیکن چونکہ اس وقت مسلمان تہذیب وتمدن اور علوم وفنون مین فرانسیسیون پر تفوق رکھتے تھے، اس لئے ہر طرف سے فرانسیسی اس چشمۂ شیرین کے گرد جمع ہوکر اشبیلیہ، قرطبہ، غرناطہ، سرقسطہ، طلیطلہ اور بلنسیہ کے مدارس وجوامع مین عربی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرکے اپنے شہرون مین واپس گئے، اور اسلامی درسگاہون کے طرز پر طلبار کو تعلیم دینے لگے،

اشبیلیہ مین مسلمان علمار کے مشہور تلامذہ مین پوپ سلیفسٹر ثانی ۹۳۰-۱۰۰۴م ہے، جس نے پوپ ہونے سے پہلے تین برس تک وہان مستقل قیام کیا، پھر یورپ کو بہت بڑا علم دان ہوکر واپس آیا، اور وہان کے سلاطین وامرار نے اپنی اولاد کی تعلیم کے لیے اس کو ہاتھون ہاتھ لیا، اور اس کے جاہ واعزاز

مین روز بروز ترقی ہوتی گئی، یہانتک کہ اخیر مین اس نے پوپ کا منصب حاصل کرلیا،

اسی زمانے سے فرنچ شعراء و ادباء نے لاطینی اشعار کو طاقِ نسیان مین رکھدیا اور اہل عرب کے اشعار یاد کرنے لگے، یہان تک کہ فقراء اندلسی اشعار کو گا کر لوگون کے دروازون پر بھیک مانگتے تھے، اور یہ لوگ ان سے متأثر ہوکر ان کو خوب عطیے دیتے تھے، گو عربی زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے ان کا مطلب نہین سمجھتے تھے،

فرانسیسیون کو اندلسی ادب سے مستفید ہونے کا ایک عمدہ موقع یہ بھی ملا کہ جو عمدہ کتابین قصر قرطبہ مین محفوظ تھین وہ بنوامیہ کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد نہایت ارزان قیمت پر فروخت ہوکر فرنچ عربی دانون کے ہاتھ آئین اور انھون نے انکا ترجمہ کرکے اپنے مدرسون مین ان کی اشاعت کی جس سے اُن کے علمی ملکہ کو بڑی ترقی ہوئی، ابن زیدون، ابن خفاجہ اور ابوالحسن المایورقی بالاتفاق فرنچ شعراء کے اساتذہ مین۔

لویس تاسع (۱۲۷۰ء م) کے زمانے مین صلیبی لڑائیون مین جب مسلمان اور فرنچ امراء و سلاطین مین باہم تعارف ہوا تو اس نے بھی فرنچ شاعری کو بہت زیادہ ترقی دی، کیونکہ جب فرانسیسیون نے عرب کے شعراء، ادباء، اطباء، اور حکماء کو بچشم خود دیکھا تو ان کی نہایت قدر کی اور اُن کے اثر سے ان کے شعرو ادب نے بہت ترقی کی، یہانتک کہ انھون نے شہر طولوز مین ایک ادبی یونیورسٹی قائم کی، جو مدرسۃ المعرفۃ السارۃ (COLLEGE DUGAI SEAVOIR) کے نام سے مشہور ہے، جسمین شعراء کے اشعار پر تنقید کیجاتی تھی اور ان کو چاندی اور سونے کے پھول بطور انعام کے دیے جاتے تھے، پندرھوین صدی کے اخیر مین ایک عورت نے اس یونیورسٹی پر بہت سا مال وقف کیا، اب شاعری اور زبان کی ترقی کے لئے شعراء نے اس کی طرف اور توجہ و شوق کا اظہار کیا، یہ یونیورسٹی اب تک قائم ہے، اور بعب الازہار اکاڈیمی یعنی پھولون کے کھیل کی اکاڈمی کے نام سے مشہور ہے، اور وکٹر ھیگو اور اس کے معاصرین نے اس یونیورسٹی کے انعامات حاصل کئے ہین،

شعر و ادب کی یہ تدریجی ترقی لویس چاردہم (۱۶۳۸ - ۱۵ ۱۷ء م) کے زمانے مین درجۂ کمال کو پہنچگئی

چنانچہ دارالمار کیزہ (رامبویہ) شعراء و ادبا رکا سب سے بڑا اکھاڑا بنگیا جہان وہ جمع ہوکر شعر پڑھتے تھے، اور بحث و مناظرہ کرتے تھے، بہت سی عورتون نے بھی اُن کی تقلید کی، اس لیے یہ زمانہ شعر و ادب کی ترقی کا عہد زرین ہوگیا،

سنہ ۱۶۳۵ء مین کاردینال (ریشلیو) نے فرنچ اکاڈمی قائم کی، اس کے بعد فنون، آداب، آثار، اخلاق، سیاست اور ریاضت وغیرہ کی متعدد اکاڈمیان قائم ہوئین اور سترہوین صدی مین بہت سے شعراء و ادبا پیدا ہوگئے، مثلاً (بالزاق اور دیکارت) پھر اسکندر ہارڈی نے ایک تھیٹر قائم کیا جس مین اس قسم کے ایکٹ کئے جاتے تھے، جنکا موضوع اسپنی عرب کا متروکہ ادبی سرمایہ تھا،

اس زمانے کے شعراء اور انشاپرداز حسب ذیل ہین،

(۱) بییر قورنیل (۱۶۰۶-۱۶۸۴ء مشہور ناول ہوراس کا مصنف ہی، (۲) راسین (۱۶۳۹-۱۶۹۹ء، کلاسیکل طریقہ کا موجد اور بہت سی روایتون کا ناظم ہے) (۳) بوالو (ہجوگو اور ظریف شاعر ہے) (۴) مولییر (مضحکات یعنی کامیڈی کا موجد ہے، (۵) فنلون (تلیماک کا مولف ہے) (۶) لافونتین (افسانہ نگار ہی) (۷) مونتیسکیو (۸) بوفن (۹) ولیٹر (اس نے ہر موضوع پر لکھا ہے) (۱۰) دویدر (دائرۃ المعارف کا مؤلف ہے، (۱۱) جان جاک روسو،

ان کے بعد انیسوین صدی کے بہترین شعرا وکٹر ہیگو، سینٹ بیف، الفریڈ ڈی موسیہ اور دی لامارٹین وغیرہ پیدا ہوے، اس طریقہ سے ہر سال فرانس مین بہترین شعراء و انشاپرداز پیدا ہوتے رہے یہانتک کہ ہمارے زمانہ یعنی بیسوین صدی مین ادمون روستان، جان ریشبین، اناتول فرانس اور پول بورجیہ وغیرہ کا نام مشاہیر شعراء مین نظر آتا ہے،

سب سے پہلے عربی شعر و ادب سے اسپین اور اٹلی کے باشندون نے فائدہ اٹھایا، چنانچہ اسپینیون مین سے لوب دوفیگہ، فالدیرون، اور لوقین وغیرہ نے شعر و ادب مین امتیاز پیدا کیا اور اٹلی مین دانتی

(۱۲۶۵ - ۱۳۲۱ م) پیدا ہوا جس کی کتاب نزہۃ الالٰہیہ کی شہرت چار دانگ عالم مین پھیل گئی،

سسلی او نیپلز سے اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد بھی نون عربی زبان شاہ راجر ثانی شاہ صقلیہ اور اس کے بعد کے بادشاہون کی حکومت کی سرکاری زبان رہی، راجر ثانی نے بہت سے علماے اسلام مثلاً مشہور جغرافیہ نویس شریف ادریسی اور احفاد (ابن بشکر) کو جو علم النباتات اور علم الحیوانات کے عالم تھے، اور دوسرے شعرار وانشا پرداز کو مقرب بارگاہ بنایا اور فرنچ زبانون مین عربی اصطلاحات پھیل گئین، یہانتک کہ عربون کی سلطنت کے زوال کے بعد بھی عربی خط یورپ کی عمارتون اور محلون پر کندہ کئے جاتے تھے،

"ع"

ایران کے بینک

۱۲۶۷ھ سے ایران مین بہت سے بینک مثلاً بینک استقراض روس، امپریل بینک ایران بینک عثمانی اور اسی طرح چند دوسرے بینک اکثر شہرون مین اپنی شاخین کھول کر بینک کا کاروبار کر رہے ہین، لیکن ان مین سب سے اہم بینک، امپیریل بنک ایران ہے، اور اس کے قائم کرنے کا حق ۱۲۶۷ھ مین بیرن جولیس رابرٹ نامی ایک انگریز نے شاہ ناصرالدین سے حاصل کیا اور دو سال کے بعد لندن مین اس کے حصے فروخت ہونا شروع ہوے، اس بینک کا سرمایہ ایک ملین پونڈ قرار پایا تھا غیر ملکیون کا اعتبار اس بینک پر اس قدر زیادہ تھا کہ ۸ گھنٹے مین بینک کے حصون کی خریداری کی درخواستین پندرہ گونہ موصول ہوئین، پہلے سال امپیریل بینک نے ایران کے اندر اور باہر چند شاخین قائم کین اور وضع مصارف کے بعد اس کا منافع ۔۔ ۶۸۰ پونڈ ہوا اور آٹھ فیصدی حصہ دارون پر تقسیم ہوا،

پہلے دو سال مین امپیریل بینک نے اپنے سرمایے کا بہترین حصہ لندن سے ایران مین منتقل کیا اور ۳۲ سے ۳۴ قران کے نرخ پر کہ اس وقت یہی نرخ تھا (موجودہ نرخ ۹۸ قران ہے) اپنے پونڈ کو قران کی صورت مین تبدیل کیا، اگرچہ ۱۲۷۳ھ مین چاندی کی قیمت اس قدر گھٹ گئی کہ ۵۰ قران ایک پونڈ کے

برابر ہوگیا اور اس وجہ سے بینک کو ایک تہائی کا نقصان ہوا، تاہم چالیس سال کی مدت مین اس کے کاروبار مین غیر معمولی ترقی ہوئی اور کاغذی نوٹ جو اسکی بنیاد کے ابتدائی سال مین ۲۰۰۰۰ پونڈ کے تھے اب ڈھائی ملین تک پہنچ گئے،

موجودہ اصطلاح مین ایک قومی بینک کے قائم کرنے کا خیال ایران مین ۱۳۲۶ھ مین پیدا ہوا، اور مجلس شوریٰ ملی کے پہلے اجلاس مین اس پر بحث ہوئی اور ایک قرارداد کے منظور ہونے کے بعد اہل ایران کی ایک جماعت نے عملاً اس کے قائم کرنے کا عزم کر لیا، اول اول اس کا سرمایہ ۱۵ ملین تومان قرار پایا جو بعد مین ۵۰ ملین تک پہنچ گیا، ابتدا مین اس بینک کے بانیون کی تعداد صرف چند لوگون تک محدود تھی اور ان مین ہر شخص کو ۱۰ تومان سے ۵ ہزار تومان تک سرمایہ دینا قرار پایا تھا اور ہر حصہ ۵ تومان کا مقرر ہوا تھا، اس کے دستور العمل کی پہلی اہم دفعہ یہ تھی کہ وہ حکومت کے تمام وجوہ کا مرکز ہوگا، اور خزانچی حکومت کے حوالہ سے اسکو لیگا، دوسرے یہ کہ امپیریل بینک کے تمام حقوق اس کی مدت کے گذر جانے کے بعد اس نئے بینک کی طرف منتقل ہوجائینگے، اس طریقہ سے اس بینک کے کاروبار مین نہایت ترقی ہوئی، اور لوگون نے اپنا تمام سرمایہ خوشی سے بطور حصص کے اس مین رکھدیا، چنانچہ ایک غیر ملکی روزانہ اخبار نے لکھا کہ ایرانیون نے اس بینک کا خیر مقدم اس جوش کیساتھ کیا کہ چھوٹے چھوٹے بچون نے اپنی کتابین اور عورتون نے اپنے زیورات فروخت کرکے اس کے حصے خریدے، اور حصون کی خریداری مین مردون سے گوے سبقت لے جانا چاہا، خود اس کے بانیون نے یہ تہیہ کر لیا کہ کم از کم ہر شخص ۵ ہزار تومان بینک کے صندوق مین ڈالے، صوبہ طہران نے ایک ملین تومان کی ذمہ داری اپنے سر لی، آذربائجان اور تمام صوبون نے بھی بڑے بڑے حصون کا خریدنا اپنے ذمہ لیا، لیکن افسوس ہے کہ دوسرے اور تیسرے درجہ کے آدمیون نے تو صرف یہ ذمہ داری لی، لیکن دولتمند اور تاجرون نے اس سے اغماض کیا، لیکن چونکہ سلطنت اس بینک کی حامی تھی اس لیے اس بینک نے کافی ترقی کی،

یہ پہلا بینک ہے جو موجودہ طریقہ پر ایران مین قائم ہوا، اور ایرانی اس سے بہت توقعات رکھتے ہین اور درحقیقت اس بینک سے سلطنت کی اقتصادیات کو کافی اعانت حاصل ہوگی،

سلطنت کے تمام بنیکون کی طرح یہ ایک خاص بنیاد و اساس پر قائم ہوا ہے، اس کا سرمایہ دو ملین تومان ہے، جو بیس ہزار اور ایک سو تومان پر منقسم ہوگا، اور ۱۳۵۰۰ قطعہ اس کا نام کے ساتھ اور بقیہ بے نام کے ہوگا، سلطنت تمام حصون کی ذمہ دار ہے، اور اس طریقہ پر اس بینک کا موجودہ سرمایہ آٹھ لاکھ تومان ہے،

بینک کے دستور العمل کی چھٹی دفعہ سے بینک کے فرائض بہ تفصیل معلوم ہوتے ہین، اور یہ واضح ہوتا ہے کہ قومی بینک اصولاً ایک تجارتی بینک ہے، اور تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے مخصوص شرائط کے ساتھ کام کریگا، لیکن زراعتی کاروبار کا مرکز زراعتی بینک ہوگا جو ۱۳۰۹ھ مین قائم ہوا ہے، بینک نوٹ کے جاری کرنے کا حق اس کو ۱۳۱۰ھ کے بعد دیا گیا، چونکہ اس بینک مین سرمایہ امانۃً رکھا جاتا ہے، اسلئے کچھ دنون مین وہ اپنے فرائض کی وسعت کے ساتھ حکومت کے مرکزی بینک کا بھی ذمہ دار ہو جائیگا، اگرچہ ایرانی سکے کے اخیر بحران نے اس بینک کو یہ موقع نہین دیا کہ لوگون کے لیے زیادہ اعتبارات تجارتی مہیا کرے، دوسری طرف خارجی نرخ کی تنظیم کا کام بھی اس بینک کے سپرد ہو گیا ہے،

(مجلہ اقتصاد کابل) "ع"

سیرۃ النبی جلد چہارم

منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام، اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ۷۰۰ صفحے،

قیمت بہ اختلاف کاغذ ۵ ، ۶ روپے، تقطیع کلان،

"منیجر"

اخبار علمیہ

نئی ترکی زبان

چند ماہ قبل مصطفےٰ کمال پاشا کی تحریک سے ترکی زبان کی تحقیق کے لیے اکابر اہل زبان کی ایک مجلس قسطنطنیہ مین بیٹھی تھی جس کی سفارشون کا خلاصہ مانچسٹر گارڈین کے نامہ نگار مقیم قسطنطنیہ نے حال مین بھیجا ہے، ان سفارشون کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ تمام ملک مین ایک وسیع تنظیم قائم کرکے وہ تمام الفاظ جو عام طور پر بولے جاتے ہین لیکن جو ابھی تک علمی زبان مین داخل نہین ہو سکے ہین اکٹھا کرلئے جائین اور پھر انکی تحقیق کیجائے، اسکا مقصد یہ ہے کہ جو زبان "عثمانی زبان" کہی جاتی ہے اسے ترکی زبان بنا دیا جائے، "عثمانی زبان" کے متعلق اس مجلس کا خیال ہے کہ یہ اصلی ترکی زبان کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے اور دربار اور فتوحات سلطانی کے اثر سے ملک کی اصلی زبان سے علٰحدہ ایک بالکل مختلف زبان ہوکر رہ گئی ہے، امید ہے کہ چھ ماہ کے اندر یہ سب الفاظ جمع کرلئے جائینگے، اس تلاش وتحقیق کے لیے تمام اناطولیہ اور تھریس مین دس پندرہ ہزار مدرسین کی خدمات حاصل کیجائینگی، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ہی مہینہ مین ایک شخص نے صرف قسطنطنیہ کے مزدورون کی زبان سے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ ایسے الفاظ دریافت کرلئے ہین جو ابتک "غیر معلوم" تھے، اسی طرح اناطولیہ کے چند مواضعات مین ایک شخص نے پچیس ہزار اور دوسرے نے چالیس ہزار ایسے الفاظ جمع کئے ہین، اور اسی طرح وسط اناطولیہ مین کچھ لوگون نے اس قسم کے پندرہ ہزار الفاظ اکٹھا کرلئے ہین، اس وقت ترکی لغت مین صرف چالیس ہزار الفاظ ہین، اور ان مین وہ الفاظ بھی شامل ہین جو فارسی اور عربی سے لئے گئے ہین، امید کیجاتی ہے کہ اب یہ تعداد

اسی یا نوے ہزار تک پہنچا دی جائیگی جو فرانسیسی لغت کی انتہائی تعداد ہے، جب یہ الفاظ جمع کرلئے جائینگے

اس وقت مرکزی مجلس لسانیہ (LINGUISTIC COMMISSION) کے زیر ہدایت جامعہ قسطنطنیہ کے اساتذہ اور دوسرے ارباب علم ان سب کو چھانٹینگے اور پھر ان مین سے جو لغت کے لیے پسند کرلئے جائینگے وہ اخبارات بالخصوص جرائد مین اس مجلس کی طرف سے شائع کردیئے جائینگے، قدیم الفاظ کی تلاش کے ساتھ ساتھ جدید الفاظ کی اختراع کا کام بھی ہوتا رہیگا، موجودہ ضروریات کے لیے سائنٹفک اور فنی اصطلاحات وضع کرنے کے آسان طریقے دریافت کئے جائینگے، فی الحال ترکی درسی کتابون مین سائنٹفک اور فنی کتابون کی اصطلاحات مین بہت زیادہ اختلافات ہین، "عثمانی" اور ترکی زبان کے فرق کو اور زیادہ نمایان کرنے کی غرض سے ایک ترکی عثمانی لغت تیار کیا جائے گا، یہ بھی تجویز ہے کہ ان جدید الفاظ کی ایک تعداد کو تمام قوم مین رائج کرنے کے لیے دلچسپ اور مقبول عام نظمون کے ذریعہ سے شائع کردیا جائے، سب سے زیادہ زور جس بات پر دیا گیا وہ یہ تھی کہ ترکی زبان انڈو یورپین، سمیرین، اور سامی زبانون کی اصل ہے، ترکی علماے زبان اپنے اس دعوی کے ثبوت مین متعدد ماہرین زبان کی شہادتین پیش کرتے ہین اور ان کا خیال ہے کہ مسلمانون کے دور حکومت مین ترکی زبان اپنے زوال کی حالت مین تھی جس کی ذمہ داری سلاطین اور ان کے درباریون کے سر ہے، سلطانی فتوحات کے ساتھ ممالک مفتوحہ کی زبانین بھی کسی قدر ترکی زبان مین شامل ہوتی گئین، اور اہل دربار نے ان سب زبانون کو ملا جلا کر ایک نئی زبان تیار کرلی،

نوبل پرائز

سال گذشتہ ۱۹۳۲ء مین لٹریچر کا نوبل پرائز مشہور برطانوی ڈراما نویس جان گالسوردی (J. GALSWYTHY) نے حاصل کیا ہے، ان کی تصنیفات سوئڈن مین بہت مقبول ہین ۱۹۱۸ء مین حکومت برطانیہ نے انھین نائٹ کا خطاب بھی دیا تھا، لیکن اسے قبول کرنے سے انھون نے انکار کردیا تھا، ۱۹۲۹ء مین حکومت کی طرف سے

انھین آرڈرآف میرٹ (ORDER OF MERIT) کا خطاب عطا کیا گیا، گالسوردی کے علاوہ رڈیارڈ کپلنگ اور برنرڈشا صرف دو برطانوی مصنف اور ہین جنھین اس سے قبل لٹریچر مین نوبل پرائز ملا،

کمسٹری کا نوبل پرائز امریکہ کے مشہور سائنس دان ڈاکٹر ارونگ لینگ میور (DR. IRVING LANG MUIR) کو دیا گیا ہے جو ۱۹۰۹ء سے کیمیاوی تحقیق مین مصروف ہین،

سیّارون کی آبادی

حال مین برمنگھم کے بشپ ڈاکٹر بارنس نے ایک خطبۂ صدارت مین پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ایک وقت آئیگا جب انسان کسی مختلف قسم کی لاسلکی کے ذریعہ سے دوردراز سیارون مین رہنے ولے ذی عقل جاندارون سے بات کرسکیگا، بشپ موصوف نے نہ صرف اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ دوسرے سیارون مین بھی ذی رُوح آبادی ہے، بلکہ یہ بھی بیان کیا کہ اس امر کے قوی دلائل موجود ہین کہ سیارون کے رہنے والے قوت مدرکہ مین ہم سے کہین زیادہ بڑھے ہوئے ہین، ان کا خیال ہے کہ اگر سیارون کے باشندون کے حاصل کردہ علوم و فنون ہمارے سامنے پیش کردیئے جائین تو ہماری حیرت واستعجاب کی کوئی انتہا نہ رہ جائے، ڈاکٹر بارنس کی حیرت تو اس وقت کی منتظر ہے جب ایسے علوم وفنون اُن کے سامنے پیش کئے جائینگے، مگر ہماری حیرانی کے لیے تو وہ وثوق ہی کافی ہے، جس کا اظہار موصوف اپنی پیشین گوئی مین فرمارہے ہین،

ارتقائے انسانی کی ایک کڑی

مسٹر ایچ، جی، ویلز، مشہور برطانوی اہل قلم نے اپنی "تاریخ عالم" مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جنگلون کے جن مردم خور دیوون کے قصے روایات مین سنے جاتے ہین وہ ممکن ہے کہ ان انسانون کی نسل سے تعلق رکھتے ہون جو ہزارہا سال قبل اپنے ارتقا کی ابتدائی منزلون مین تھے، اس خیال کی تائید حال کے ایک جدید انکشاف سے

بھی کسی قدر ہوتی ہے، چند ماہ قبل جنوبی افریقہ مین ایک ایسا انسانی ڈھانچہ برآمد کیا گیا ہے جو اب بالکل مفقود ہے،

اس دریافت کے متعلق ڈاکٹر فری اپنے رسالہ ویکس سائنس (WEEKS SCIENCE) مین لکھتے ہین:-

"ارتقاے انسانی کے ماہرین کو اس امر مین اتفاق ہے کہ اب سے بیس یا تیس ہزار قبل دو بالکل مختلف قسم کے انسان روے زمین پر آباد تھے، ایک قسم معمولی آدمیون کی تھی جو زمانۂ حال کے آدمیون سے ناقابلِ امتیاز تھے، دوسری قسم ان کی تھی جو قد کے چھوٹے اور جسم کے موٹے تھے، ان کے سر بڑے اور گردنین موٹی تھین اور وہ موجودہ انسانون کے مقابلہ مین صورۃً بالکل درندے معلوم ہوتے تھے، اس قسم کے لوگون کی ہڈیان نیز ان لوگون کی جو آجکل کے آدمیون سے مشابہ تھے، یورپ، فلسطین، افریقہ، اور دوسری جگہون مین پائی گئی ہین" جنوبی افریقہ مین جو ہڈیان حال مین پائی گئی ہین ان کے متعلق شروع مین یہی خیال تھا کہ وہ انھی انسان نما درندون مین سے کسی کی ہونگی، لیکن مزید غور و مطالعہ کے بعد یہ محقق ہوا ہے کہ وہ ہڈیان ایک بالکل مختلف قسم کے انسان کی ہین جو نہ تو کیسر وحشی اور درندے تھے، اور نہ اس نسل سے تھے جو آج تمام دنیا مین پائی جاتی ہے،

جیب کے خطرات،

ڈاکٹر پرسی اجلو (لندن) نے حال مین یہ تجویز پیش کی ہو کہ مروجہ جیبین انسانی لباس سے بالکل خارج کردی جائین اور انکی جگہ ڈاکٹر موصوف کی ایجاد کردہ دوسرے قسم کی جیبین جو روز یا ہفتہ مین ایکبار دھونے کیلئے علٰحدہ کیجا سکتی ہین استعمال مین لائی جائین، وجہ یہ ہی کہ موجودہ جیبین عموماً کثیف ہوتی ہین اور ان سے جراثیم پھیلتے ہین، ان مین ہر قسم کی چیزین رکھی جاتی ہین، مثلاً ایسے رومال جنمین جراثیم بھرے ہوتے ہین، سکے جو پہلے اکثر گندے اور میلے ہاتھون مین رہ چکے ہین، کاغذی سکے اور دوسری چیزین جنسے جراثیم کی پرورش ہوتی ہے، یہ جیبین شاید ہی کبھی الٹکر صاف کیجاتی ہون یا انھین دھوپ یا صاف ہوا لگتی ہو، جراثیم کے اس خطرہ کو دور کرنے کیلئے ڈاکٹر اجلو نے جس قسم کی جیبین ایجاد کی ہین وہ اگرچہ شکل مین موجودہ جیبون سے بالکل ملتی ہوئی ہین لیکن اسطرح کی بنی ہین کہ ضرورت کیوقت بہت آسانی سے لباس سے علٰحدہ کیجا سکتی ہین اور صاف کرکے پھر لگادی جاسکتی ہین،

"ع ز"

ادبیات

نیرنگِ اثر

از جناب ولایت حسین خانصاحب رامپوری

نیا ہے رنج ہر لحظہ نئی ہر دم مصیبت ہے ۔ دلِ ایذا طلب منجملۂ اربابِ ہمت ہے
کوئی ہے طالبِ حسرت کوئی مایوسِ حسرت ہے ۔ نرالی ساری دنیا سے یہ دنیائے محبت ہے
خیالِ دوست ہر لحظہ شریکِ رنج و راحت ہے ۔ خدا رکھے اسی سے زندگی کی اپنی صورت ہے
مجھے تکلیف مین آرام ہے زحمت مین راحت ہے ۔ مرے حق مین جفائے دوست سچ یہ ہے عنایت ہے
ابھی واقف ہوا ہے لذتِ ایذا سے تو اے دل ۔ ابھی سے خواہشِ افزایشِ دردِ محبت ہے
تعجب کیا اگر انسان اس پر جان دیتا ہے ۔ محبت قلبِ انسان مین خدا کی اک ودیعت ہے
نہ پوچھو مجھ سے تم کیونکر بسر ہوتی ہے فرقت مین ۔ خدا کا شکر ہے جو دم گذرتا ہے غنیمت ہے
طریقِ عشق مین فکرِ مآلِ عشق سے حاصل ۔ دلِ نا عاقبت اندیش تیری بھی عجب مت ہے
میسر ہی ہمین دل کی بدولت عشق کی دولت ۔ نکرنا شکرِ نعمت کا آخر کفرانِ نعمت ہے

سوالِ وفا

از جناب شیخ عبد اللطیف صاحب تپش ام اے (ام او ال) لکچرار گورنمنٹ کالج لیسپور،

مجھ سے کہتے ہین، وہ وفا کیا ہے ۔ نہین معلوم مدعا کیا ہے

دل مین اک داغ کے سوا کیا ہے ۔ جان دے کر ہمین ملا کیا ہے ۔۔

کچھ نہین عالمِ خیال اگر ۔ یہ تماشا سا ہو رہا کیا ہے ۔۔

غنچے مین اک لپٹ ہے خوشبو کی ۔ اس کی مٹھی مین اور دھرا کیا ہے،

خاکسارون کی خاک اوڑاتے ہو ۔ یہ جبرا ہے، اگر سزا کیا ہے،

نہین اٹھتا ہے، پردۂ ہستی ۔ نہین کھلتا کہ ماجرا کیا ہے،

کر دیا بے نیاز سجدہ مجھے، ۔ اور احسان نقشِ پا کیا ہے،

پردہ داریِ چشم شوق عبث ۔ جز فریب نظر دھرا کیا ہے،

نہ بتایا کسی نے جیتے جی ۔۔ درد کیا چیز ہے، دوا کیا ہے،

کیا ہو کیا جانے بتکدہ چھٹ کر ۔ کیا خبر مرضیِ خدا کیا ہے،

ہاتھ اوٹھاتے تو ہو دعا کے ساتھ ۔ یہ بھی تو پوچھ لو دعا کیا ہے،

محشرستانِ آرزو ہون تپشؔ ۔ مجھکو اندیشۂ فنا کیا ہے،

رباعیاتِ اخگر

از جناب امداد حسین صاحب اخگر مرادآبادی

عالمِ پیری

مین بحر تھا پانی نے مجھے چھوڑ دیا ۔ موجون کی روانی نے مجھے چھوڑ دیا

بے مہری کی یارون سے شکایت کیسی ۔ خود میری جوانی نے مجھے چھوڑ دیا

عبرت

قبرون پہ گیا مین تو وہان کیا دیکھا ۔ چھائی ہوئی خاموشی کو گویا دیکھا

ٹوٹے ہوئے تختون کی چھتون کے نیچے ۔ شاہون کی بھی عظمت کا جنازہ دیکھا

باب التقریظ والانتقاد

نغمۂ دل

یعنی مجموعۂ کلام دل

(جناب حکیم ضمیر حسن خان دل شاہجہانپوری)

ضخامت مع مقدمہ ۲۵۰ صفحات قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ ملنے کا پتہ حکیم ضمیر حسن خان دل محلہ ہاتھی تھان شاہجہان پور،

یہ ایک بڑی نازک تاریخی اور ادبی بحث ہے کہ دلی اور لکھنؤ کے جو دو مختلف شاعرانہ انداز قائم ہو گئے تھے، اُنکا جغرافیانہ اور قومی حیثیت سے کیا اثر پڑا؟ جہان تک مین پتہ لگا سکا ہون، مرادآباد، بریلی، بدایون اور شاہ جہان پور وغیرہ زیادہ تر دلی کے رنگ سے متاثر ہوئے، اور کانپور، فیض آباد اور الٰہ آباد وغیرہ پر لکھنؤ کا اثر پڑا، اسکی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ جو مقامات دلی سے قریب تھے اُنھون نے دلی کا رنگ اختیار کیا، اور جو مقامات لکھنؤ کے آس پاس تھے، وہ لکھنؤ کی روش پر چلے، اس جغرافیانہ اثر کے علاوہ قومی حیثیت سے روہیلکھنڈ کے پٹھانون کی ٹھوس طبیعت جب شاعری کی طرف متوجہ ہوئی تو اوس نے سنجیدگی کے قالب مین ظہور کیا جس کے لئے اساتذۂ دلی کا رنگ کلام زیادہ موزون تھا، اس لئے زیر ریویو مجموعہ کلام مین سب سے پہلی جو خصوصیت ذوق سلیم کے سامنے آتی ہے، وہ متانت و سنجیدگی ہے قومی و جغرافیانہ حیثیت کے علاوہ ممکن ہے کہ یہ حکیم ضمیر حسن خان کی ذاتی متانت و سنجیدگی اخلاق کا بھی اثر ہو، بہرحال اون کے کلام مین کوئی غیر مہذب غیر سنجیدہ مبتذل ورکیک لفظ یا عریان مضمون نہین مل سکتا، یہان تک کہ وصل اور رقیب کا لفظ جس

سے غزل مین لطیف و خوشگوار مضامین کے ساتھ بہت سے مبتذل و سوقیانہ مضامین بھی شامل ہوگئے ہین، اون کے کلام مین سرے سے موجود ہی نہین ہے، شاید یہ خیال ہو کہ یہ موجودہ دور کی شاعرانہ اصلاحات کا اثر ہے، لیکن اونھون نے اپنی غزلون کو خود قدیم و جدید دو حصون مین تقسیم کر دیا ہے، لیکن قدیم غزلون مین بھی اس قسم کے الفاظ و مضامین نہین ملتے، اس لئے حضرت نیاز فتحپوری کے نزدیک اُنکے قدیم و جدید کلام مین امتیاز پیدا کرنا سخت مشکل ہی، لیکن ہمارے نزدیک لکھنؤ کی صرف یہی خصوصیت نہین ہی، کہ وہان کی شاعری مین متانت و سنجیدگی کم پائی جاتی ہے، بلکہ اوس کی ایک خصوصیت اوس کا وہ شاعرانہ استدلال بھی ہے، جو جذبات کی آمیزش سے بالکل خالی ہوتا ہے، اس لئے اوسکو صرف ایک خشک شاعرانہ منطق کہہ سکتے ہین، اور اسکی مثالین بعض بعض جگہ اون کی قدیم غزلون مین نظر آجاتی ہین، مثلاً

ابرو پہ آئینے مین نگاہین ہین بار بار برسا رہے ہین تیر وہ اپنی کمان پر

ابرو کا کمان اور نگاہون کا تیر ہونا شاعرانہ حیثیت سے مسلم ہی، اور چونکہ آئینے مین ابرو ہی پر نگاہین پڑ رہی ہین، اسلئے یہ دعویٰ ثابت ہو گیا، کہ

برسا رہے ہین تیر وہ اپنی کمان پر

یا:-

دل صد چاک مین دیکھا رخ روشن اونکا ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اون کا

دل صد چاک کی تشبیہ چلمن کے ساتھ بالکل مکمل ہے اور دل مین معشوق کا جلوہ نظر آتا ہی اسلئے یہ دعویٰ خود بخود ثابت ہو گیا، کہ

ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اونکا

بعض لفظی رعایتین بھی حد فاصل ہو سکتی ہین، مثلاً

ناتوانی راہ مین گو پاون پھیلاتی رہی شوق ہاتھون ہاتھ مجھکو سوے جانان لیچلا

اسی طرح جدید شاعری کی خصوصیت صرف متانت وسنجیدگی ہی نہین ہے، بلکہ خاص قسم کی ترکیبین اور خاص قسم کے الفاظ بھی ہین، یہان تک کہ بعض جدید شعراء کے کلام مین صرف یہی ترکیبین اور الفاظ ہوتے ہین، اون کے اندر کوئی معنی نہین ہوتا، اور اس مجموعہ مین بھی اس قسم کے الفاظ کی کمی نہین ہی مثلاً:-

نظر آتی ہے مجھے حُسن کی دنیا بے حِس　　کس کو افسانہ سُناؤن شبِ تنہائی کا

حقیقت یہ ہے کہ حکیم ضمیر حسن کا کلام ایک بڑے تاریخی دور کا نچوڑ ہے، رامپور مین آکر دلی اور لکھنؤ کے رنگ مین آمیزش ہوئی، اس بیگانگی کے دور ہونے کے بعد کچھ دنون تک داغ، امیر اور جلال باہم حریف رہے، لیکن رفتہ رفتہ زمانے نے اس بے گانگی کو بھی دور کیا، اور اب ہر ایک کے تلامذہ نے بے تعصبی کے ساتھ ان تینون استادون کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف کیا، اور تینون کے رنگِ کلام سے متاثر ہوئے، اسکے بعد جدید شاعری کا غلغلہ بلند ہوا، تو اوس کا اثر بھی ان لوگون پر پڑا، اس لئے ان مجموعی اثرات نے ایک خاص رنگ پیدا کر دیا جسکی خصوصیات حسب ذیل ہین :-

۱- مبتذل اور عریان الفاظ ومضامین سے اجتناب،

۲- خارجی مضامین یعنی خال وخط کے مضامین سے احتراز،

۳- صفائی برجستگی اور سادگی،

۴- رفعت وبلندی،

امیر کے اور مشہور تلامذہ مین بھی اگرچہ یہ خصوصیتین اقتضائے زمانہ سے پیدا ہو گئی ہین لیکن ضمیر حسن خان نے اقتضائے زمانہ کے علاوہ بالقصد وبالارادہ بھی یہ خصوصیتین اپنے کلام مین پیدا کی ہین، اور اون کی سنجیدہ فطرت اور ماحول کے اثر نے بھی اس مین اون کی اعانت کی ہے، اس لئے اون کا کلام امیر کے اور تلامذہ سے مختلف ہو کر شعرائے دورِ جدید کے کلام سے مشابہ ہو گیا ہے، تاہم یہ فرق قائم ہے کہ جدید شعراء کے کلام مین بے معنی الفاظ بے معنی ترکیبون بلکہ مہمل مضامین کا جو انبار پایا جاتا ہے، اون سے اون کا کلام پاک اور لفظ ومعنی دونون حیثیتون سے حدودِ تغزل کے اندر داخل ہے

چند مثالین ملاحظہ ہون :-

جی ڈوب گیا جب یہ حقیقت ہوئی ظاہر
جس بحر مین کشتی ہے وہ ساحل نہین رکھتا

نارسائی کا سبب کیا ہے؟ یہی جوش طلب
بڑھ گئے ہم اس قدر آگے کہ رہبر رہ گیا،

نکتہ سنج ان وفا نے رکھ لیا دل اوس کا نام
کچھ لہو جو سینۂ بسمل مین جم کر رہ گیا،

اب ہزارون زخم ہین ہر زخم ہے دنیائے عشق
وسعت دل بڑھ گئی جب دل مین نشتر ڑگیا،

ادھر گھبرا کے غمخوارون کی مایوسانہ سرگوشی
ادھر بیمار کا کچھ کہکے سب سے بے خبر ہونا،

بارہا ڈوب کے ابھرا مرے دل سے نشتر
راز پھر بھی نہ کھلا عشق کی گہرائی کا کچھ

تری ٹھوکرون کو ظالم عبث آج جستجو ہے
جسے کل مٹا چکی ہین، وہی تھا مزار میرا،

ہاتھ دل پر رکھ کے یہ کہنا کسی کا یاد ہے
اب اسے اپنا نہ کہنا یہ ہمارا ہو گیا،

کیا سمجھ کر پوچھنے آئے ہو میرا حال زار
ہان یہ پوچھو پوچھنے والون کی حالت کیا ہوئی

جو طالب جمال بڑھا آئی یہ صدا
بجلی ابھی تو کوندرہی ہے جلال کی

کہئے تو کہدین عرش برین کو مقام دوست
ہمت مگر کچھ اور ہے اپنے خیال کی،

خاموش ہون جو صورت تصویر پیش یار
اک شکل خاص یہ بھی ہے اظہار حال کی

اب تک ہین جوش عشق کی ہنگامہ خیزیان
اوٹھا غبار قیس تو صحرا لئے ہوئے

یہ متین و سنجیدہ رنگ صوفیانہ خیالات کے اظہار کے لئے خاص طور پر موزون ہے اور حکیم میر حسن خان کے کلام مین بھی جا بجا اوسکی چاشنی پائی جاتی ہے مثلاً

دکھا حسن مطلق ہی جلوہ افگن بغور جس خوش ادا کو دیکھا
عجیب قدرت کے ہین کرشمے جدھر نظر کی خدا کو دیکھا،

جو ڈوب کر پھر کبھی نہ ابھرا ہوا وہی آشنائے ساحل
بقائے دائم کا اک مرقع غریق بحر فنا کو دیکھا،

مشاہدہ ہو تو کس طرح ہو بصارت ظاہری ہے عاجز
گذر گیا جو خودی کی حد سے اوسی نے اوس خودنما کو دیکھا

خبر نہین انتہا کی ہم کو کیا ہو گم بے خودی نے اے دل قدم جو رکھا رہ طلب مین تو دور تر رہ سنا کو دیکھا،

اردو غزل گوئی کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اوس مین ہر شعر کا مضمون الگ الگ ہوتا ہے، کوئی مسلسل خیال پوری غزل مین نہین ادا کیا جاتا، لیکن حکیم ضمیر حسن خان نے بعض غزلون مین ایک ہی خیال ادا کیا ہے، اور نہایت پر لطف مسلسل طریقہ سے ادا کیا ہے مثلاً:۔

شکیب ضبط بھی اے پیک یار لیتا جا پلٹ چلا ہے تو دل کا قرار لیتا جا

لکھا ہے خون کے قطرون سے حال درد فراق مرقع خلش و اضطرار لیتا جا

بجائے مہر ہوئی ثبت چشم پر حسرت نہ نقش ہے ہمہ تن انتظار لیتا جا

بڑھے ہین لخت جگر تا راشک رنگین مین یہ دل پسند یہ خوش رنگ ہار لیتا جا

کسی کے زیر قدم آج ہی بچھا دینا سکون جان محبت شعار لیتا جا

تمام عمر کا حاصل ہے جوشش عجز و نیاز متاع ہستی ناپائدار لیتا جا

تجھے ہے عذر ادا داستان عشق طویل مری زبان بھی اے غمگسار لیتا جا

وفور شوق جو سرمایۂ محبت ہے، بصد نیاز پئے نذر یار لیتا جا

یہ چیز وہ ہے جو فائق ہو لاکھ چیزون پر خلوص عشق کا تو اعتبار لیتا جا

رہا تھا ہے جو تسکین دل کا سرمایہ مرے رفیق مرے راز دار لیتا جا

انیس حضرت دل آہ جو تمنا تھی ملی ہے خاک مین اوسکا غبار لیتا جا

لیکن باوجود ان تمام خوبیون کے جا بجا لفظی و معنوی حیثیت سے خامیان بھی پائی جاتی ہین مثلاً:۔

قیامت زا ہوا دل سرمگین آنکھونکا نظارہ سنبھل بیٹھیں یہ بت نالہ ہمارے دل سے نکلے گا،

سرمگین آنکھونکا اثر خموشی کی صورت مین ظاہر ہونا چاہئے نہ کہ نالہ کی صورت مین،

کاوشِ پیہم کی حسرت تھی دلِ مجروح کو   کیا بکار آمد ہوا چھپکر جو نشتر رہ گیا،

"بکار آمد" کی جگہ "کار آمد" غالباً زیادہ صحیح ہو،

اے صبا ساتھ چلے گی مری بربادیٔ دل   کوچۂ یار کو جانا تو یہاں ہو جانا ؎

شعر بہت اچھا ہے لیکن اگر "ہو جانا" کے بجائے "ہوتے جانا" ہوتا تو زیادہ با محاورہ ہوتا،

ہم حرمتِ صہبا کے قائل ہیں مگر واعظ   ہوتی ہیں جو چار آنکھیں انکار نہیں ہوتا

صہبا سے چار آنکھیں ہونیکے کوئی معنی نہیں ممکن ہے کہ ساقی مراد ہو لیکن وہ یہاں مذکور نہیں "انکار نہیں ہوتا" بھی صحیح نہیں "انکار نہیں ہو سکتا" چاہئے،

لیکن اون کی پختہ گوئی کے مقابلے میں یہ خامیاں بالکل بے حقیقت ہیں، اور میں نے انکا اظہار صرف اسلئے کر دیا ہی کہ تنقید کا یہ پہلو نظر انداز نہ ہونے پائے، ورنہ لفظی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے اون کا کلام داغ، امیر، جلال، اور شعرائے دورِ جدید کے محاسنِ کلام کا ایک نہایت معتدل مجموعہ ہے، اور اون کے جو معائب ہیں، اون سے اونھوں نے قطع نظر کر لی ہے، ہم کو یقین ہے کہ اس زمانے کے سنجیدہ مذاق اہلِ نظر اوسکو دلچسپی سے پڑھیں گے،   "ع"

فہرست عربی مخطوطات انڈیا آفس لائبریری،

مرتبہ سی، اے، اسٹوری صفحات ۹۵ تقطیع کلان، مطبوعہ اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس قیمت: ۲ اسٹلنگ ۶ پنس

انڈیا آفس لائبریری میں عربی کی قلمی کتابوں کا جو ذخیرہ ہے، اُس میں سے یہ فہرست جو سلسلہ کی دوسری جلد ہے، صرف قرآنی نسخوں اور تفسیروں اور متعلقاتِ علوم قرآنی پر مشتمل ہے، اسمیں (۱۶۶) نسخوں کا ذکر ہے، ان میں سے (۲۷) پورے قرآن یا مختلف سوروں کے نسخے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی اہم نسخہ نہیں، بجز اس کے کہ ایک نسخہ جو ہندوستان کے اکبری عہد میں لکھا گیا ہے بحیثیت اسکے کہ ایک مدنی عرب نے اس عہد کے ایک ہندو امیر کے لیے لکھا ہے،

ایک خاص ندرت رکھتا ہے، اس نسخہ کے خاتمہ مین ہے،

وقع الفراغ من کتابۃ ھذا الکتاب العزیز الذی لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ بخط عبد الضعیف النحیف الحقیر الراجی الی رحمۃ ربہ القوی لقد ..... بن احمد الانصاری المدنی ثم سنالی (؟) ...... شعبان ۹۹۵ھ حق و ملک رای رایان رای پتر داس ...... در عہد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ،

یہ نسخہ بیچ سے شکستہ اور دریدہ ہے، یہ ۱۸۵۷ء مین لکھنؤ کے غدر کی لوٹ مین جنرل فرینکس کے کسی اے ڈی سی کے ہاتھ لگا تھا، اور وہان سے یہ انڈیا آفس کے کتبخانہ مین داخل ہوا،

اس فہرست کی اکثر کتابین، ہندوستان مین لکھی گئین اور یہین کی پیداوار ہین، اور یہین سے انگلستان کو منتقل ہوئی ہین،

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

قرآنِ پاک کی متفرق سورتون کا ایک عجیب و غریب نسخہ ہندوستان کے بجائے چین کی یادگار ہے، یہ چین کی لڑائی مین انگریز سپہ سالار کے ہاتھ آیا تھا، اسمین مختلف متفرق سورتون کے اقتباسات چینی ترجمہ کے ساتھ ہین،

کتب تفسیر تمامتر یہی معالم التنزیل، کشاف، بیضاوی و مدارک اور اس کے حواشی ہین، تاہم ایک شیعی تفسیر تفسیر سُلَمی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے، جس کا دوسرا مشہور نام تفسیر عیاشی ہے، مصنف کا نام ابونصر محمد بن مسعود بن محمد بن عیاش السُلَمی السمرقندی ہے، چوتھی صدی ہجری مین تھے،

الکشف و البیان جس کا مشہور نام تفسیر ثعالبی، اور جو ابو اسحاق احمد بن محمد ثعالبی نیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ کی روایتی تفسیر ہے، اس کے متفرق اجزا رہین،

ایک اور تفسیر کا ناتمام نسخہ قابلِ ذکر ہے، یہ اس نسخہ کے ایک ورق پر امام محمد غزالی کے بھائی امام احمد غزالی کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس ناتمام نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے شروع مین علوم تفسیر پر ایک مقدمہ ہے، مگر افسوس ہے کہ یہ نسخہ ناتمام ہے، سورۂ یوسف کی ایک تفسیر ہے جو امام غزالی کی طرف منسوب ہے ایک رسالہ القسم الالٰہی بالاسم الربانی امام ابن عربی کا ہے، جسین اُنھون نے ان پانچ آیتون کی تفسیر کی ہے جنین خدا نے اپنی آپ قسم کھائی ہے،

الجامع لاحکام القرآن معروف بہ تفسیر قرطبی کے ٹکڑے بھی ہین، اس تفسیر کا بہترین نسخہ ہمارے ندوۃ العلمار کے کتبخانہ مین ہے،

بیضاوی کے حاشیون مین ایک حاشیہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا ہے، آخر مین قرأت و تجوید کی چند کتابین ہین،

فہرست کے اڈیٹر مسٹر اسٹوری ہندوستان مین اس حیثیت سے پہلے سے روشناس ہین، کہ وہ علیگڈہ کالج مین ایک زمانہ مین عربی کے پروفیسر رہ چکے ہین، مسٹر اسٹوری اب مدت سے انڈیا آفس کے کتبخانہ کے ناظر ہین، فہرست مین اختصار کے ساتھ اُنھون نے نسخہ کا حال لکھا ہے، اور مصنفین کے احوال کے لیے پہلی فہرستون کا حوالہ دیا ہے، اور کہین کہین خود بھی اُنھون نے کتابون کے حوالے دیدیئے ہین، "س"

مطبوعات جدیدہ

اسماء الاسرار (فارسی) مصححہ جناب سید عطا حسین صاحب ایم اے، ناظم تعمیرات حیدرآباد دکن۔
حجم ۱۶۳ صفحے قیمت قسم اعلےٰ للعہ ودوم ے ر (سکہ عثمانی) پتہ :- کتب خانہ تجارتی اعظم پریس چارمینار حیدرآباد دکن،

حضرت خواجہ ابو الفتح سید محمد حسینی گیسو دراز رح کی مشہور تالیف اسماء الاسرار اہل علم وصوفیہ کے حلقون مین معروف ہی جناب مولوی عطا حسین صاحب ایم اے شکریہ کے مستحق ہین، کہ اونھون نے اوسکو پہلی مرتبہ طبع کرایا، موصوف نے اس نسخہ کو اسکے مختلف قلمی نسخون اور مختلف حال المتن شرحون سے تصحیح ومقابلہ کے بعد تحشیہ کے ساتھ شایع کیا ہے اور ابتدا مین ایک مقدمہ ثبت کیا ہی اور جابجا اوسکی شرحون سے ضروری تعلیقات بھی منسلک کردئے ہین، کتاب اہل ذوق مین پہلے سی مقبول ہی امید ہے کہ اہل ذوق اور ارباب تصوف اس سے فائدہ اوٹھائین گے،

نفسیات عنفوان شباب، مترجمہ جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی شائع کردہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی حجم ۴۱۲ صفحے قیمت ے ر

جدید فلسفہ کے شعبۂ "نفسیات" نے اس سرعت سے ترقی کی کہ رفتہ رفتہ یہ خود ایک فن قرار پاگیا، اور نفسیات کے ساتھ مختلف اضافتون سے اہل فکر کے لئے نئے نئے ابواب غور وفکر کے لئے نکل آئے، برلن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ایڈوارڈ اشپرانگر نے اس سلسلہ مین "نفسیات عنفوان شباب" پر اپنے تجربون اور تخیلات کو اسی عنوان سے اپنی ایک تالیف مین قلم بند کیا ہے اور یہ اردو کی خوش قسمتی ہے کہ پروفیسر موصوف کے ایک لائق شاگرد، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے اس تالیف کو مصنف کے مشورہ سے براہ راست جرمنی زبان سے اردو مین مصنف کے ہدایات کے مطابق منتقل کیا، اور مترجم

کی استدعا پر مصنف نے اس اردو اڈیشن کے لئے چند کلمات ہندوستان کو مخاطب کرکے لکھے، کتاب چند ابواب "مقصد

منہاج" "عنفوان شباب کی مجموعی نفسی سیرت" اور "نوجوانون کی تخیلی زندگی" وغیرہ ہین اور پھر اسی طرح نوجوانون کا عشق

اون کے نفسانی خواہشات عشق اور نفسانی خواہشات، نوجوانون کا تعلق سوسائٹی سے اور پھر نوجوانون کی اخلاقی

اور مذہبی نشو ونما، نوجوان اور سیاست، اُن کے پیشے اور اُس کا علم اور تصور کائنات وغیرہ کتاب کے مستقل ابواب ہین

کتاب اگرچہ فلسفہ سے متعلق ہے لیکن ترجمہ کی روانی اور سلاست اور نفس موضوع کے لحاظ سے اکثر جگہ دلچسپ ہے، اور جہان فلسفہ کے اشکال ہین وہ مترجم کے

فاضلانہ مقدمہ اور مصنف کے چند ابتدائی ابواب کو نظر تعمق کے پڑھنے کے بعد خود بخود دور ہوجاتے ہین کتاب کا مطالعہ ہمارے طلبہ و والدین اور اساتذہ کیلئے یکسان مفید ہے

خادمات خلق، مترجمہ جناب سیدہ خاتون صاحبہ مرحومہ ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، حجم ۱۲۱ صفحے، تقطیع چھوٹی،

لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت :- ۱۰/

جناب خواجہ غلام الثقلین صاحب کی صاحبزادی جناب سیدہ خاتون مرحومہ نے یورپ اور امریکہ کی

چند ممتاز تاریخی خواتین کے مختصر حالات کا ترجمہ اردو مین کیا تھا لیکن اس کی اشاعت کا وقت آنے نہ پایا تھا کہ مرحومہ

کی چندروزہ زندگی کا خاتمہ ہوگیا، اب یہ رسالہ بطور ایک انکی ادبی یادگار کے مکتبہ جامعہ ملیہ سے شائع ہوا ہے، ابتدا مین

جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب کا ایک تعارف ہے، اور پھر ایسی نو دس خواتین کے سوانح حیات ہین جنھون نے

اپنی جانبازی سے اپنے کو فراموش کرکے خدمت خلق مین اپنی عمر گذار دی، اور زندۂ جاوید بن گئین، رسالہ کی زبان

شگفتہ ہے، رسالہ ہندوستانی خواتین کے مطالعہ کے قابل ہے،

خلفاے اربعہ، از مولانا خواجہ محمد عبدالحیٰ صاحب فاروقی شائع کردہ مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی

حجم ۱۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۰/

خلفائے اربعہ مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ کے

سوانح حیات، بچون کے لئے اوسی طریقہ پر مرتب کئے گئے ہین، جیسے کہ رسول عربی وغیرہ مختصر رسالے جامعہ ملیہ سے

شائع ہوئے ہین، رسالہ کے مطالعہ سے ان صحابۂ کرام کے پاکیزہ سوانح حیات کے ماسوا اس عہد کی مختصر تاریخ بھی بچون کے

ذہن نشین ہو جائیگی،

کتاب التوحید:- تالیف شیخ محمد عبد الوہاب نجدی، مترجمہ مولینا محمد سورتی۔

قرولباغ دہلی منشا مع متن، قیمت ۸؍

شیخ محمد عبد الوہاب نجدی کا مشہور رسالہ کتاب التوحید چند سال گذرے حکومت نجد و حجاز کی جانب سے شائع ہوا تھا، اب اوسی کا اردو ترجمہ مولانا محمد سورتی نے شائع کیا ہے، ترجمہ کے ساتھ اصل متن بھی درج ہے، جس کی چندان ضرورت نہ تھی، ایک صفحہ کو دو کالم بن تقسیم کرکے ایک کالم میں متن اور دوسرے مین ترجمہ درج کیا ہے، رسالہ کی ابتدا مین شیخ محمد بن عبد الوہاب کے سوانح حیات اور اون کے متن کو اجمالاً پیش کیا ہے، کتاب التوحید مین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شیخ موصوف نے اپنے عقیدۂ توحید کو شرح و بسط سے بیان کیا ہی، ترجمہ صاف اور روان ہی،

الفتح المبین والجوہر الحسین، مترجمہ مولوی شیخ صالح باحطاب، حجم ۲۵۵ صفحے،

لکھائی چھپائی اچھی، قیمت :- ۱۲ عا زینۃ الجوکیشنل لائبریری نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن،

مولینا شیخ سالم باحطاب، حیدرآباد، دکن نے عربی مین درالثمین فی اصول الشریعہ وفروع الدین لکھی تھی، موصوف کے لائق خلف جناب مولوی شیخ صالح باحطاب نے اس کا اردو ترجمہ مصنف کی زندگی مین ایک ایک باب کو دکھا کر کیا، اور اب یہی ترجمہ الفتح المبین والجوھرالحسین کے نام سے شایع ہوا ہے، رسالہ مین مصنف نے سوال و جواب قائم کرکے اولاً عقائد توحید اور اصول دین کو بیان کیا ہے، پھر فقہ شافعی کے بموجب عبادات کا بیان ہے، اس کے بعد فرائض کا تذکرہ ہے، اور خاتمہ کا باب "مبادی نصرت" کے نام سے ہی، اس اردو ترجمہ پر حیدرآباد دکن کے مختلف مشاہیر علما، کی رائیں کتاب کے آخر مین درج ہین، اردو مین بالعموم فقہی رسالے فقہ حنفی کے بموجب ملتے ہین، اس رسالہ سے فقہ شافعی کا سرسری مطالعہ ہو جاتا ہی،

"م"

دار المصنّفین کی فلسفیانہ کتابین

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح، اردو مین فلسفۂ جدیدہ کی یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۱۲۶ صفحے،

قیمت :- عہ

مکالمات برکلے، برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ، جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت عہ، حجم ۱۴۸ صفحے،

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب "پرنسپلس آف ہیومن نالج" کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ جس مین حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۱۳۶ صفحے،

قیمت :- عہ

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانون مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور جس کی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین، سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہین ملسکتا، ضخامت ۲۹۶ صفحے،

قیمت :- ۲ روپے

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب "قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ" جس کو پڑھکر یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ دنیا مین قومین کیونکر بنتی اور بگڑتی ہین، طبع دوم، قیمت :- عہ، ضخامت ۱۶۲ صفحے،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب "جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ" کا اردو ترجمہ، جس مین انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنمایون کی خصوصیات اور جماعتون کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کیے گئے ہین، ضخامت ۲۳۲ صفحے، قیمت عہ

طبقات الامم، اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی سنہ ۴۶۲ھ کی کتاب جسمین انھون نے اپنے زمانہ تک کی تمام قومون کی عموماً اور مسلمانون کی خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی مین لکھی تھی، قاضی احمد میان اختر جوناگڈھی نے اسکو عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، اور جابجا حاشیون مین علماء اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہین،

ضخامت ۱۵۰ صفحے، قیمت عہ

سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلعم کے حالات، غزوات اور اخلاق وعادات کے متعلق بہت سے رطب یابس واقعات تاریخ وسیر کی کتابون مین مذکور ہین لیکن اس کتاب کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین اس قسم کی تمام روایتون سے قطع نظر کرلیگئی ہے اور صرف وہ واقعات بیان کئے گئے ہین جو قرآن مجید اور احادیث مین مذکور ہین، اور جن کی صحت مین کسی قسم کے شک وشبہہ کی گنجایش نہین، تاریخ وسیر سے بھی وہی واقعات لئے گئے ہین، جن کی صحت و روایت کمزور ومشکوک نہو،

اب تک اس کتاب کے چار حصے شائع ہوچکے ہین، اور تین حصے اور باقی ہین،

سیرۃ النبی حصہ اول، از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات، مع مقدمہ مشتمل بر نقد وفن سیرۃ وتاریخ عرب قبل بعثت طبع دوم، ضخامت ۱۰۶۵ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ ے ولعہ، تقطیع خورد،

سیرۃ النبی حصہ دوم، از ۹ھ تا ۱۱ھ جس مین اقامت امن، تاسیس خلافت، اشاعت اسلام، انتظامات مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات، شمائل واخلاق وعادات کی تفصیل اور ازواج واولاد کا مختصر تبصرہ ہے، طبع اول تقطیع کلان، ضخامت ۵۱۳ صفحے، قیمت علی عے، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت ۴۳۸ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ صہ ہے

سیرۃ النبی حصہ سوم، جس کے مقدمہ مین نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان ووقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہا سے نظر سے مبسوط بحث وتبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات ومعجزات ہین جنکا ذکر قرآن مجید مین ہے، بعد ازین وہ ہین جو مستند روایات سے ثابت ہین، پھر معجزون کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہین جو صحف سابقہ مین موجود ہین، اور جن کے حوالے قرآن مجید وحدیث مین مذکور ہین، اور آخر مین خصائص محمدی کا باب ہے، طبع اول تقطیع کلان، ضخامت ۵۹۶ صفحے قیمت باختلاف کاغذ عہ رہے، طبع دوم تقطیع خورد ضخامت ۹۴ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ معہ، صہ

ایضاً **جلد چہارم** منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اسکے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث ضخامت ... صفحے، قیمت باختلاف کاغذ ہے ر ہے، تقطیع کلان،

ملنے کا پتہ: منیجر دار المصنفین شہر اعظم گڈھ،

(طابع وناشر محمد ادریس وارثی)